ماہنامہ

صلی اللہ علیہ وسلم

انوار خیر البشر

فروری 2008ء
صفر 1429ھ

رکن کونسل آف جرائد اہلسنت پاکستان

مقام اشاعت

آستانہ عالیہ جھگی شریف وزیرآباد گوجرانوالہ 03004259370

الحمدللہ عزوجلّ ! آستانہ عالیہ جھگی شریف پر

ہر جمعرات کو
عصر تا مغرب

محفل دُرود شریف ہوتی ہے

شرکت فرما کر ثواب
کریں

بمقام آستانہ عالیہ جھگی شریف
نزد پیر مٹھا قبرستان وزیر آباد

آقا، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے۔

- o جس نے فجر کی نماز ترک کی اس کے چہرے سے نور ختم کر دیا جاتا ہے۔
- o جس نے ظہر کی نماز ترک کی اس کی روزی سے برکت ختم کر دی جاتی ہے۔
- o جس نے عصر کی نماز ترک کی اس کے بدن سے طاقت ختم کر دیجاتی ہے۔
- o جس نے مغرب کی نماز ترک کی اس کی اولاد نافرمان کر دی جاتی ہے۔
- o جس نے عشاء کی نماز ترک کی اسکی نیند سے راحت ختم کر دی جاتی ہے۔

ماہنامہ

انوار خیر البشر ﷺ

آستانہ عالیہ جھگی شریف وزیر آباد

فروری 2008ء
صفر 1429ھ

زیر سرپرستی

قدوۃ السالکین خواجہ الحاج باباجی **پیر محمد صدیق** مجددی نقشبندی
جھگی والی سرکار
دامت برکاتہم العالیہ۔

چیف ایڈیٹر

صاحبزادہ **پیر محمد رفیق** نقشبندی مجددی جانشین باباجی جھگی والی سرکار

ایڈیٹر

صاحبزادہ محمد سعید اختر الصدیقی
ایم اے فاضل بھیرہ

لیگل ایڈوائزر
صوفی محمد اشرف
ایم اے، ایل ایل بی

سرکولیشن منیجر
حاجی محمد آصف

اسسٹنٹ ایڈیٹر
محمد شفقت علی

مجلس مشاورت

حاجی محمد صادق لاہور
محمد خالد محمود اسلام آباد
صوفی محمد علی شاد مناوری گجرات
محمد راشد خاں نت کلاں

برائے رابطہ وخط وکتابت۔
ایڈیٹر ماہنامہ انوار خیر البشر ﷺ
آستانہ عالیہ جھگی شریف (پیر مٹھا) وزیر آباد
ضلع گوجرانوالہ

زر اعانت

قیمت فی شمارہ / 15 روپے
سالانہ عام ڈاک / 150 روپے
بیرون ملک / 30 امریکی ڈالر

0556404741 03004259370

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضیاء القرآن

سورۃ آل عمران پارہ نمبر ۳ آیت نمبر ۷۸

آیت مبارکہ

وان منهم لفريقا يلون السنتهم بالكتاب لتحسبوه من الكتاب وما هو من الكتاب ويقولون هو من عندالله وما هو من عندالله ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون ٥

ترجمہ:

اور بے شک ان میں ایک فریق وہ ہے جو مروڑتے ہیں ۸۳ اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ تا کہ تم خیال کرنے لگو (ان کی) اس (الٹ پھیر) کو بھی اصل کتاب سے حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں یہ بھی اللہ کی طرف سے (اترا) ہے حالانکہ وہ نہیں ہے اللہ کے پاس سے اور وہ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ جان بوجھ کر

تفسیر

۸۳ یلوٗون کا اصل ہے جس کا معنی جھکانا مائل کرنا۔ کہا جاتا ہے لوی بیدہ اس نے اپنا ہاتھ جھکایا۔ لوی براسہ اس نے اپنا سر جھکایا۔ اس کی اصلی اور فطری وضع میں تبدیلی کر دی۔ اس لیے اب اس کا استعمال کسی کلام کے الفاظ یا اعراب میں ایسا ردوبدل کر دینا جس سے اس کلام کا اصلی مفہوم بدل جائے یا اس کی ایسی من گھڑت تشریح کرنا جس کا اس کلام سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو کے معنی میں ہونے لگا ہے لوہ لسانہ بکذا کنایۃ عن الکذب وتخرص الحدیث (مفردات) عربی محاورہ میں جھوٹ بولنے اور من گھڑت بات بنانے کو

لوی لسانہ بکذا،، کہتے ہیں علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے والمعنی یحرفون الکلم ویعدلون بہ عن القصد۔ بعض علماء یہود کا یہ شیوہ تھا کہ توراۃ کی جن آیات میں حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر پاک ہوتا یا تو ایسے لب ولہجہ سے انھیں پڑھتے کہ مطلب بگڑ جاتا یا الفاظ واعراب میں ردوبدل کر دیتے یا ان آیات کا غلط مطلب لوگوں کو بتایا کرتے۔ اس آیت میں ان کی اس مذموم حرکت کا بیان ہے۔

آیہ مبارکہ

ما كان لبشر ان يوتيه الله الكتاب والحكم والنبوة ثم يقول لناس كونو عبا ذا لي من دون الله ولكن كونو ربا نيين بما كنتم تعلمون الكتاب وبما كنتم تدرسون ٥

تفسیر

یعنی جسے ان انعامات سے سرفراز کیا جاتا ہے وہ کسی کو اپنی پرستش اور عبادت کی دعوت نہیں دے گا بلکہ وہ تو سب یہی تلقین کرے گا کہ اللہ والے بن جاؤ۔ (ربانیین جمع ہے ربانی کی جو رب کی طرف منسوب ہے اس نسبت کی وجہ سے اسے ربی ہونا چاہیئے۔ لیکن بسا اوقات مبالغہ کے لیے الف نون کا اضافہ کرتے ہیں۔ مثلاً جس کی بڑھی گھنی داڑھی ہو اسے باضافہ الف نون لحیانی اور جس کی گردن بہت فربہ ہو اسے باضافہ الف نون رقبانی کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہوگا بالکل اللہ والا مبرد نے اس کا ایک دوسرا ماخذ بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ربان کی جمع ہے رب یربہ فھو ربان سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے تربیت نفوس، اصلاح احوال اور تدبیر امور کرنے والا۔ اب ربانیون کا معنی ہوگا نوع انسانی کی صحیح تربیت اور ان کی اصلاح کرنے والے۔ یہاں عیسائیوں کو بتایا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو نبی تھے۔ وہ اپنے آپ کو خدا یا خدا کا فرزند کیونکر کہہ سکتے تھے۔ انھوں نے تو تمھیں محض اللہ والا بننے کی دعوت دی ہے۔

آیۃ کریمہ

ولا يامركم ان تتخذو الملئكة والنبيين اربابا ايامركم بالكفر بعد اذ انتم مسلمون ٥

ترجمہ

۸۵ اور وہ (مقبول بندہ) نہیں حکم دے گا تمہیں اس بات کا کہ بنالو فرشتوں کو اور پیغمبروں کو خدا (تم خود

سوچو) کیا وہ حکم دے سکتا ہے تمھیں کفر کرنے کا بعد اس کے کہ تم مسلمان بن چکے ہو

تفسیر

۸۵۔ مقصد یہ ہے کہ اے اہل کتاب تمھیں تو بطریق اولیٰ ربانی بننا چاہیئے۔ کیونکہ تمھارے پاس تو رشد وہدایت کا آسمانی صحیفہ موجود ہے۔جس کے معانی اور مطالب سے تم خوب واقف ہو۔تم خود بھی اسے پڑھتے ہو اور دوسروں کو بھی اس کا درس دیتے ہو۔اور اگر تم نے خود اس سے ہدایت حاصل نہ کی اور توحید کی خالص نعمت سے محروم رہے تو پھر درس وتدریس کی ہنگامہ آرائیوں سے کیا حاصل؟

آیۃ کریمہ

واذ اخذالله ميثاق النبيين لما اتيتكم من كتاب وحكمة ثم جآء كم رسول مصدق لما معكم لتوئمنن بهه ولتنصرنه قال ء اقررتم واخذتم علیٰ ذٰلكم اصري قالو آ اقررنا قال فاشهدوا وانا معكم من الشهدين ہ

ترجمہ

اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ ۸۶۔ حضرت سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر اس کہ موجودگی میں سرور عالم وعالمیاں ﷺ تشریف فرما ہوں تو اس نبی پر لازم ہے کہ وہ حضور ﷺ کہ رسالت پر ایمان لاکر آپ ﷺ کی امت میں شمولیت کا شرف حاصل کرے اور ہر طرح حضور ﷺ کے دین کی تائید ونصرت کرے اور تمام انبیاء نے یہی عہد اپنی امتوں سے لیا۔

السید الحق محمود آلوسی صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں

ومن هنا ذهب العارفون الى انه صلى الله تعالى عليه وآله وسلم هو النبى المطلق والرسول الحقيقى والمشرع الاستقلالى وان من سواه من الانبياء عليهم الصلوة والسلام فى حكم التبعيةله صلى الله عليه وسلم .

یعنی اس لئے عارفین نے فرمایا ہے کہ نبی مطلق رسول حقیقی اور مستقل شریعت کے لانے والے حضور نبی کریم ﷺ ہیں اور جملہ دیگر انبیاء حضور نبی کریم ﷺ کے تابع ہیں (روح المعانی)

شب معراج تمام انبیاء کرام کا بیت المقدس میں مجتمع ہو کر حضور نبی کریم ﷺ کی امامت میں حضور کی شریعت کے مطابق نماز ادا کرنا اسی بلند مرتبت عہد کی عملی توثیق تھی اور امام الانبیاء والمرسلین کی عظمت شان اور جلالت قدر کا صحیح اندازہ قیامت کے روز ہوگا جب ساری مخلوق خدا کے خوف خدا سے لرزہ براندام ہوگی اور مصطفےٰ ﷺ لواء حمد ہاتھ میں لیے مقام محمود پر فائز ہوں گے۔

اللهم صل على حبيبک وصفيک صاحب لواء الحمد والمقام المحمود وبارک وسلم واحشرنا فى زمرته وتحت وارزقنا شفاعته وادخلنا معه فى الجنته انک سميع الدعاء.

آیۃ کریمہ

فمن تولى بعد ذلک فاُولٰئک هم الفٰسقون ہ

ترجمہ

پھر جو کوئی پھرے اس (پختہ عہد) کے بعد تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

آیۃ کریمہ

افغير دين الله يبغون وله اسلم من فى السمٰوٰت والارض طوعا و كرها واليه يرجعون ہ

ترجمہ

کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش کرتے ہیں ۸۷۔ حالانکہ اسی کے حضور سر جھکایا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبوری سے اور اسی کی طرف وہ (سب) لوٹائے جائیں گے۔

تفسیر

۸۷۔ جس مالک ارض وسماء کے حکم کے سامنے کائنات کی ہر چیز سرافگندہ ہے۔خوشی یا ناخوشی سے، شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کے ہر تکوینی فرمان کی تعمیل کر رہی ہے۔اور جس کی طرف ہر چیز پلٹ کر جانے والی ہے کیا اس قادر وتوانا خدا کے دین کے بغیر وہ کسی اور دین، کسی دوسرے ضابطہ حیات کے متلاشی ہیں۔وہ کتنے غلط کار ہیں اور فریب نفس کے کتنے مہلک مرض میں وہ مبتلاء ہیں۔

آیۃ کریمہ

قل امنا باللہ وماانزل علینا وما انزل علی ابرٰھیم واسمٰعیل ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون ہ

ترجمہ

آپ فرمایئے ہم ایمان لائے اللہ پر ۸۸ اور اس پر جو اتارا گیا ہم پر اور جو اتارا گیا ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب، اوران کے بیٹوں پر اور جو کچھ دیا گیا موسیٰ، عیسیٰ اور (دوسرے) انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے نہیں فرق کرتے ہم کسی کے درمیان ان میں سے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں

تفسیر

۸۸ اپنے حبیب مکرم ﷺ کی زبان پاک سے اس حقیقت عظمٰی کا پھر اعلان کروایا جارہا ہے کہ دین الٰہی اسلام ہی ہے

۔سب انبیا ورسل اپنے اپنے زمانہ میں اسی کی تبلیغ فرماتے رہے اور میں بھی اسی دین کا داعی اور مبلغ بن کر آیا ہوں

اس لئے وہ تمام مقدس ہستیاں جن کو بارگاہ الٰہی سے نبوت کا شرف بخشا گیا اوران پر جو کتابیں نازل ہوئیں میں اور میرے ماننے والے ان سب کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

ہمارا یہ شیوہ نہیں کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں۔یہ دین محمدی کی وہ وسعت اور گیرائی جو ہرحق کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

جہاں کسی قومی، وطنی اور نسلی عصبیت کی گنجائش نہیں۔اس دین قیم کی روح تمام ان عناصر سے پاک ہے جو انسان کو انسان سے ملنے نہیں دیتے۔یہ کسی خاندان یا نسل کے خدا کا دین نہیں بلکہ رب العالمین کا دین ہے

۔اور اس کا داعی صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنے کے لئے بھیجا نہیں گیا بلکہ وہ رحمت اللعالمین ہے جو سارے عالم انسانیت کی شیرازہ بندی کے لیئے مطلع وجود پر جلوہ نما ہوا۔اس لیے صرف یہی دین انسانی اتحاد کے لیے اساس محکم ثابت ہوسکتا ہے

آیۃ کریمہ

ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخسرین ہ

ترجمہ

اور جو تلاش کرے گا اسلام کے بغیر کوئی (اور) دین تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے ۸۹ اور وہ قیامت کو زیاں کاروں میں سے ہوگا

تفسیر

۸۹ دین اسلام جو سب انبیاء کا دین ہے اور جس کو لے کر اب حضرت محمد ﷺ تشریف لائے ہیں۔اب اگر کوئی شخص اس دین کو قبول نہیں کرتا اور کسی اور دین کی پیروی کرتا ہے تو اس کا وہ دین اللہ تعالیٰ کی جناب میں مردود ہے

آیۃ کریمہ

کیف یھدی اللہ قوماً کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق و جاء ھم البینٰت واللہ لا یھدی القوم الظٰلمین ہ

ترجمہ

کیسے ہوسکتا ہے کہ ہدایت دے اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو جنھوں نے کفر اختیار کرلیا ایمان لے آنے کے بعد ۹۰ اور وہ (پہلے خود) گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے اور آچکی تھیں ان کے پاس کھلی نشانیاں اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو

تفسیر

۹۰ وہ گمراہ جو جہالت کی وجہ سے قبول حق سے انکار کرتے ہیں۔ان کے ہدایت پانے کی توقع ہوسکتی ہے کہ جب جہالت کا پردہ اٹھ جائے گا اور حقیقت کا روشن چہرہ انھیں دکھائی دے گا تو وہ اسے پہچان کر پروانہ وار اس پر قربان ہونے لگیں لیکن جو حق کو پہچانتے ہیں اور اپنی خاص محفلوں میں حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔اور دشمنی پر کمر بستہ ہیں۔ان کے راہ پانے کی توقع عبث ہے۔

آیۃ کریمہ

اولئک جزاء هم ان علیهم لعنة الله والملئكة والناس اجمعين ہ

ترجمہ۔ایسوں کی سزا یہ ہے ۹۱ کہ ان پر پھٹکار پڑتی رہے اللہ کی فرشتوں کی اور سب انسانوں کی

تفسیر

۹۱ یعنی وہ بدنصیب جنھوں نے اپنی فطرت سلیمہ کو بگاڑ دیا اور خداداد صلاحیتوں کو مسخ کر دیا

آیۃ کریمہ

خلدین فیها لا یخفف عنهم العذاب ولاهم ینظرون ہ

ترجمہ۔ہمیشہ رہیں اسی پھٹکار میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی

آیۃ کریمہ

الا الذين تابو امن بعد ذلک واصلحو ا فان الله غفور رحيم

ترجمہ۔مگر وہ لوگ جنھوں نے (سچے دل سے) توبہ کر لی اس کے بعد ۹۲ اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (انھیں بخش دیگا)

تفسیر۔اسلام نے رحمتِ الٰہی سے مایوس ہو جانے کی سخت مذمت کی ہے۔اور سب گمراہوں کو واضح طور پر بتا دیا ہے کہ جب وہ سچے دل سے اپنے گناہوں پر نادم ہوں تو آئیں اور اس کے درِ رحمت پر دستک دیں۔ان کے گناہ بخش دیے جائیں گے اور انہیں ایک اور زریں موقع مل جائے گا کہ وہ ایک پاکیزہ زندگی کا از سر نو آغاز کر سکیں۔

آیۃ کریمہ

ان الذين كفروا بعد ايمانهم ثم اذدادوا كفراً لن تقبل توبتهم واولٰئک هم الضالون ہ

ترجمہ۔وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے چلے گئے کفر میں ہرگز نہ قبول کی جائے گی ان کی توبہ اور یہی لوگ ہیں جو گمراہ ہیں

الحدیث۔تم میں سے جو مجھ پر زیادہ درود پڑے گا، قیامت کے دن وہ میرے سب سے زیادہ نزدیک ہوگا۔

آیۃ کریمہ۔۔ ان الذين كفروا وماتوا وهم كفار فلن يقبل من احدهم مل ء الارض ذهبا ولو افتدٰى به اولئک لهم عذاب اليم ومالهم من نصرين ہ

ترجمہ ۹۳ البتہ وہ لوگ جو زندگی بھر کفر وطغیان کے راستہ پر گامزن رہے اور باز آنے اور نادم ہونے کے لیے جو مہلت انہیں دی گئی تھی اس سے انھوں نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ یہاں تک کہ موت کے جھونکے نے ان کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ان کی بخشش کی کوئی صورت نہیں۔ اگر وہ بے انداز سونا بھی فدیہ کے طور ادا کرنا چاہیں گے تو رد کر دیا جائے گا۔ اور کوئی ان کی شفاعت بھی نہ کرے گا۔کیونکہ شفاعت گنہگار مومن کے لیے ہوا کرتی ہے اور کافر اور مشرک شفاعت کا مستحق نہیں ہوا کرتا۔

بقیہ **فجر کی سنتوں کا مسئلہ**۔۔۔حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو لوگ فجر کی نماز کے لیے صفوں میں کھڑے تھے آپ نے مسجد میں ایک طرف دو رکعتیں پڑھیں پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے۔

دور فاروقی میں صحابہ کا عمل

عن ابی عثمان المهدی قال كنا نا تی عمر بن الخطاب قبل ان نصلی الر كعتين قبل الصبح و هو فی الصلو ة فنصلی الر كعتين فی آخر المسجد ثم ند تحل مع القوم فی صلو تهم (طحا وی شریف الر جل يد خل المسجد والا مام فی صلو ة و الفجر)

حضرت ابوعثمان مہدی فرماتے ہیں کہ ہم عمر بن خطاب کے دور میں فجر سے پہلے کی دو رکعتیں پڑھے بغیر مسجد میں آیا کرتے تھے۔جب کہ حضرت عمر نماز پڑھ رہے ہوتے ہم مسجد کے آخر میں دو رکعتیں پڑھ لیتے پھر لوگوں کے ہمراہ جماعت میں شریک ہو جاتے۔ان تمام احادیث اور جلیل القدر صحابہ کرام کے عمل سے معلوم ہو کہ فجر کی نماز با جماعت مل جانے کی امید ہو تو مسجد میں ایک طرف سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو جائے پھر حکم نبویؐ کے مطابق سورج کے نکلنے کے بعد سنتوں کی قضا پڑھے اگر کوئی ضروری کام ہو تو اٹھ کر چلا جائے اور سورج کے نکلنے کے بعد ادا کرے۔وما توفیقی الا اللہ

حسن اعتقاد

اہل سنت کے معمولات

تحریر: شیخ سیدزین آل سمیط مدظلہ

ترجمہ: عبدالحکیم شرف قادری

فصل

س۔مخلوق کی قسم کھانے کا کیا حکم ہے؟

ج۔کسی محترم ہستی مثلاً حضور نبی کریم ﷺ یا ولی یا ان کے علاوہ کسی ہستی کی قسم کھانے میں علماء کرام کا اختلاف ہے بعض علماء نے فرمایا ،مکروہ ہے اور بعض نے فرمایا کہ حرام ہے امام احمد بن حنبل سے مشہور روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قسم کھانا جائز ہے اور اس قسم کی مخالفت سے انسان حانث ہوجائے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا کلمہ طیبہ کے دو رکنوں میں سے ایک رکن ہے کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کی قسم کھانا کفر ہے ہاں اگر قسم کھانے والے کا یہ ارادہ ہے کہ جس کی وہ قسم کھا رہا ہے اس کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی طرح کرتا ہے تو وہ ضرور کافر ہوگا لیکن کوئی مسلمان ایسا ارادہ نہیں کرتا

حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ من حلف بغیر اللہ فقد اشرک جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا تو اس کا یہی مطلب ہے۔(کہ اللہ تعالیٰ کی طرح غیر کی تعظیم کا ارادہ کرے تو مشرک ہے)

س۔بعض لوگ قبروں اور اصحاب قبور کی قسمیں کھاتے ہیں، ان کا کیا مطلب ہے؟

ج۔اس سے ان کا مقصد حقیقی حلف نہیں ہوتا جسے یمین کہا جاتا ہے، یہ تو اس شخصیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کیا جا رہا ہے اور اس کی شفاعت طلب کی جا رہی ہے جسے زندگی میں اور وفات کے بعد بارگاہ خداوندی میں عزت و کرامت حاصل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے وسائل و اسباب کی حیثیت دی ہے جن کی دعا اور شفاعت سے حاجتیں پوری کی جاتی ہیں، جیسے کوئی شخص کہے کہ میں

الحدیث۔تم میں سے جو مجھ پرزیادہ درود پڑھے گا،قیامت کے دن وہ میرے سب سے زیادہ نزدیک ہوگا۔

تجھے قسم دیتا ہوں، یا میں تجھے فلاں کی قسم دیتا ہوں یا اس قبر والے کی قسم دیتا ہوں، یا ایسے ہی دوسرے الفاظ جو شرک اور کفر تو کجا حرام تک نہیں پہنچاتے، اس نکتے کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے اور مسلمانوں کو کافر اور مشرک قرار دے کر ہلاکتوں میں واقع ہونے سے گریز کیجئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو شرک سے بچائے اور اس سے کم درجے کے گناہ معاف فرمائے۔

کرامات اولیاء

س۔کیا اولیاء اللہ کی زندگی میں اور وفات کے بعد بھی کرامات ہوتی ہیں؟

ج۔ہاں ہم پر ہے کہ یہ عقیدہ رکھیں کہ اولیاء کرام کی کرامتیں برحق واجب ہیں، اور ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد جائز ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہیں ان کا انکار وہی شخص کرے گا جس کی بصیرت اندھی ہو چکی ہو اور طبیعت میں فساد ہو۔

س۔کرامات کے واقع ہونے پر کیا دلیل ہے؟

ج۔کرامات کے واقع ہونے پر دو دلیلیں ہیں، ایک تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا، مثلاً حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

جب بھی زکریا ان کے پاس محراب (عبادت گاہ) میں جاتے تو ان کے پاس رزق پاتے۔

انہوں نے کہا: اے مریم! یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے؟

مریم نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کے پاس سردیوں کا پھل گرمیوں میں اور گرمیوں کا پھل سردیوں میں موجود ہوتا تھا، اور یہ پھل ان کے پاس خلاف معمول طریقے سے آتا تھا اور یہی کرامت ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اعزاز دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بھی حکم دیا۔ کھجور کے تنے کو اپنی طرف حرکت دو وہ تم پر تروتازہ اور پکی کھجوریں گرائے گا۔

اسی سلسلے کی کڑی اصحاب کہف کا واقعہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے وہ لوگ تین سو سال کھائے پیے بغیر (غار میں) سوئے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی ظاہری ذریعے کے ان کی دائیں اور

بائیں جانب تبدیلی کواپنے ذمہ کرم پر لے لیا تا کہ ان کے پہلوؤں کو تکلیف نہ پہنچے۔

نیز انہیں سورج کی تپش سے محفوظ رکھنے کا یہ انتظام فرمایا کہ سورج طلوع ہوتا یا غروب ہوتا اس کی دھوپ اس جگہ نہیں پہنچتی تھی جہاں اصحاب کہف لیٹے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضرت خضر سکندر ذوالقرنین کا ذکر فرمایا ہے۔اور آصف بن برخیا کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کے پاس کتاب کا علم تھا

س۔کرامات کے ثابت ہونے کی دوسری دلیل کیا ہے؟

ج۔دوسری دلیل یہ کہ صحابہ کرام، تابعین اوران کے بعد ہمارے زمانے تک کے اولیاء کرام کی کرامات تواتر معنوی کے ساتھ منقول، شہرہ آفاق اور زبان زد عوام وخواص ہیں۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ سیدنا خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ میں لوہے کی بیڑیوں میں قید کی حالت میں بے موسم پھل کھایا کرتے تھے، حالانکہ مکہ مکرمہ میں اس وقت وہ پھل دستیاب نہیں ہوتا تھا ،یہ رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ،اور یہ ان کی کرامت تھی ۔

یہ بھی امام بخاری کی روایت ہے کہ جب سیدنا عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کیے گئے تو مشرکین نے ارادہ کیا کہ ان کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ لیں ،اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں یا بھڑوں کا ایک جھنڈ ان کی حفاظت کے لیے بھیج دیا،

چنانچہ مشرکین ان کے جسم کا کوئی حصہ حاصل نہ کر سکے، یہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد واضح کرامت تھی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک اندھیری رات میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ ﷺ کے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔جب رخصت ہوئے تو ان میں سے ایک کی لاٹھی (ٹارچ کی طرح) روشن ہوگئی اس کی روشنی میں وہ چلتے رہے ،جب ان کے راستے الگ الگ ہوئے تو ہر ایک کی لاٹھی روشن ہوگئی اور وہ اس کی روشنی میں روانہ ہوگئے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا۔

اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کرامات تو حد شمار سے باہر ہیں اور یہ سب رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام

الحدیث۔تم میں سے جو مجھ پرزیادہ درود پڑے گا، قیامت کے دن وہ میرے سب سے زیادہ نزدیک ہوگا۔

علیہم الصلوۃ والسلام کا معجزہ ہیں۔جو چیز کسی نبی کا معجزہ ہو وہ ولی کی کرامت ہوسکتی ہے (سوائے ان معجزات کے جو انبیاء کرام کے ساتھ مختص ہیں مثلاً قرآن کریم ۱۲ قادری) میں اولیاء کرام آگ میں داخل ہوئے اور آگ نے انہیں کوئی تکلیف نہ دی، بعض نے تھوڑے وقت میں طویل مسافت طے کرلی، بعض ہوا میں پرواز کرتے تھے، بعض کے جنات فرمانبردار تھے وغیرہ ذلک

تنبیہ علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ صرف عادت افعال اگر کافر یا فاسق کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو وہ جادو ہیں اور اگر ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو کرامت ہیں ولی وہ صاحب ایمان ہے جو راہ راست پر قائم ہو۔

فصل

س۔کیا بیداری میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ممکن ہے؟

ج۔بیداری میں نبی کریم ﷺ کی زیارت صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہے، علماء کرام اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے نفع عطا فرمائے۔فرماتے ہیں کہ بہت سے آئمہ صوفیا کو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی پھر بیداری میں بھی زیارت ہوئی اور انہوں نے آپ سے مسائل اور مقاصد کے بارے میں دریافت کیا۔

س۔اس کے ممکن ہونے پر کیا دلیل ہے

ج۔اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین نے بیان کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔جس نے خواب میں ہماری زیارت کی، وہ عنقریب بیداری میں بھی ہماری زیارت کرے گا۔اور شیطان ہماری صورت میں ظاہر نہیں ہوسکتا۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ خوشخبری دینا ہے کہ آپ کی امت میں سے جس شخص کو خواب میں آپ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اسے بیداری میں بھی ضرور زیارت ہوگی ،اگر چہ وفات سے کچھ دیر پہلے ہی ہو،اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس شخص کو نبی کریم ﷺ کی زیارت آخرت یا عالم برزخ میں ہوگی، کیونکہ اس

وقت تو تمام امتوں کو آپ کی زیارت ہوگی۔

یہ حدیث اس امر کی قوی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (روحانی طور پر) کائنات کو بھرا ہوا ہے کیونکہ یہ حدیث مشرق و مغرب کے ہر اس شخص کو شامل ہے جسے آپ ﷺ کی (خواب میں) زیارت ہو۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ احادیث سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کی نبی کریم ﷺ جسم اور روح دونوں کے ساتھ زندہ ہیں، اور آپ زمین کے اطراف و اکناف اور عالم بالا میں جہاں چاہتے ہیں تصرف فرماتے ہیں اور آپ اب بھی اسی حالت میں ہیں جس میں وفات سے پہلے تھے اور یہ کہ آپ فرشتوں کی طرح نگاہوں سے پوشیدہ ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی ولی کو آپ کے دیدار کی کرامت عطا فرمانے کے لیے پردہ اٹھا دیتا ہے تو وہ آپ کو اسی حالت میں دیکھتا ہے۔

فصل

س۔کیا سیدنا خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

ج۔جمہور علماء کا حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی پر اجماع ہے، اور عوام و خواص میں یہ مشہور ہے، ابن عطاء اللہ، لطائف المنن میں فرماتے ہیں کہ

حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات اور ان سے استفادہ ہر زمانے کے اولیاء کرام سے بتواتر ثابت ہے یہ بات اس قدر مشہور ہے کہ حد تواتر کو پہنچ چکی ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ابن قیم نے اپنی کتاب مشیر الغرام الساکن میں ان کی زندگی کے بارے چار صحیح حدیثیں پیش کی ہیں۔

امام بیہقی دلائل النبوۃ میں روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی رحلت ہوئی تو صحابہ کرام نے گھر کے ایک کونے سے آواز سنی۔اے گھر والو تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی رحمت اور برکتیں ہوں، ہر جان موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے، تمہیں قیامت کے دن تمہارے اعمال کے اجر دیے جائیں گے۔بے شک اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر مصیبت سے صبر ہے، ہر جانے والے کا خلیفہ ہے اور ہر فوت ہونے والے کا بدل ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو، اور اسی سے امید وابستہ کرو، مصیبت زدہ وہی ہے جو ثواب سے محروم ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔جانتے ہو یہ کون ہے؟ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

قرآن پاک اور اسماء الٰہیہ سے شفا حاصل کرنا

یقین کیجیے! کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سے زیادہ فائدہ مند کوئی شفاء آسمان سے نازل نہیں فرمائی قرآن کریم بیماری کے لئے شفاء اور دلوں کے زنگ کو دور کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وننزل من القرآن وما هو شفاء ورحمة للمومنين ۔

اور ہم قرآن سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو شفا ہے اور مومنوں کے لیے رحمت،

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جسے قرآن پاک سے شفاء نہ ملے اسے اللہ شفاء نہ دے۔

س۔بیماریوں کے لیے دم کرنے کا کیا حکم ہے

ج۔تین شرطیں پائی جائیں تو علماء کرام کا اتفاق ہے کہ دم کرنا جائز ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے اسماء وصفات سے ہو۔

(۲) عربی زبان میں ہو اور اگر عربی نہیں تو ایسی زبان میں ہو جس کا مطلب سمجھ آتا ہو۔

(۳) یہ عقیدہ ہو کہ دم خود بخود موثر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے فائدہ بخش ہے۔

اس کے جائز ہونے پر دلیل وہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا اپنے دم ہمارے سامنے پیش کرو، اگر دم میں شرک نہ ہو تو اس کوئی حرج نہیں ہے۔

س۔وہ کونسا دم جس سے منع کیا گیا ہے۔

ج۔اس دم سے منع کیا گیا ہے جو عربی زبان میں نہ ہو اور اس کا مطلب معلوم نہ ہو، ہو سکتا ہے اس میں جادو یا کفر کی کوئی بات داخل ہو، لیکن اس کا معنیٰ سمجھ میں آتا ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو، اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا ذکر ہو تو وہ دم جائز ہے بلکہ مستحب اور بابرکت ہے۔

س۔تعویذ کے لکھنے اور گلے میں ڈالنے کا کیا حکم ہے؟

ج۔ ایسے تعویذات کا لکھنا جائز ہے جن میں نامعلوم معنی والے اسماء نہ ہوں اسی طرح ان کا انسانوں یا چارپایوں کے گلے میں ڈالنا بھی جائز ہے، یہی مذہب صحیح ہے، امت محمدی ﷺ کے محققین علماء اسی کے قائل ہیں۔

ابن قیم نے زاد المعاد میں ابن حبان کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت جعفر ابن محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گلے میں تعویذ ڈالنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا، اگر قرآن پاک کی کوئی آیت ہے یا نبی کریم ﷺ کا کلام ہے تو اسے گلے میں ڈالو اور اس سے شفاء حاصل کرو

ابن قیم نے یہ بھی بیان کیا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے مصیبت کے نازل ہونے کے بعد گلے میں تعویذ ڈالنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ نے فرمایا میں نے خوف زدہ اور بخار کے مریض کے لئے بیماری کے نازل ہونے کے بعد اپنے والد ماجد کو تعویذ لکھتے دیکھا

ابن تمیہ اپنے فتاوے میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ قرآن پاک کے کلمات اور ذکر الٰہی لکھتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ وہ کلمات (پانی سے دھوکر) بیمار کو پلائے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی برکت ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جائز ہونے کی تصریح کی ہے۔

س۔ حدیث شریف میں ہے جس نے تعویذ گلے میں ڈالا اس نے شرک کیا، اس حدیث میں کس تعویذ سے منع کیا گیا؟

ج۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تعویذ سے مراد وہ ہے، جو دور جاہلیت میں انسان کے گلے میں ڈالا جاتا تھا، اہل جاہلیت کا عقیدہ تھا کہ یہ آفتوں کو دفع کر دیتا ہے۔ اور یہ شرک اس لئے تھا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غیر سے نقصانات کے دفع کرنے اور فوائد کے حاصل کرنے کا ارادہ کرتے تھے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ اور کلام سے برکت حاصل کرنا شرک نہیں ہوسکتا۔

س۔ میلاد شریف منانے اور اس کے لئے اجتماع کا کیا حکم ہے؟

ج۔ میلاد شریف کیا ہے؟ ان احادیث و آثار کا بیان کرنا ہے جو نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، نیز ان آیات اور معجزات کا بیان کرنا ہے جو اس موقع پر ظاہر ہوئے، اور یہ ان اچھے کاموں (بدعات حسنہ) میں سے ہے جن کے کرنے والے کو ثواب ملتا، کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت کی تعظیم ہے اور آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے حوالے سے خوشی اور مسرت کا اظہار ہے۔

س۔ بدعت حسنہ کیا ہے؟

ج۔ بدعت حسنہ وہ اچھا اور عمدہ کام ہے جو کتاب و سنت کے موافق ہو اور ہدایت کے امام اس کے قائل ہوں۔ جیسے قرآن پاک کو مصحف میں جمع کرنا، نماز تراویح کا (باقاعدہ باجماعت) ادا کرنا، مسافر خانے اور مدارس قائم کرنا، اور ہر وہ نیک کام جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں رائج نہ تھا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے اسلام میں اچھا کام رائج کیا اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور اس کے بعد عمل کرنے والوں کا بھی ثواب ہے، جب کہ بعد والوں کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

س۔ بدعت قبیحہ (سیئہ) کیا ہے؟

ج۔ بدعت مذمومہ وہ کام ہے جو کتاب و سنت کی نصوص یا اجماع امت کے مخالف ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اسی پر محمول ہے کہ (ہر نو پیدا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے) اس سے مراد مذموم بدعتیں اور وہ نو پیدا کام ہیں جو باطل ہوں۔

س۔ کیا میلاد شریف کیا اصل سنت نبویہ ﷺ سے ثابت ہے؟

ج۔ ہاں۔ امام الحافظ امام احمد بن حجر عسقلانی نے سنت سے اس کی اصل ثابت کی ہے اور یہ وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری اور مسلم میں موجود ہے، نبی کریم ﷺ جب مدینہ شریف میں تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو عاشورہ (دس محرم) کے دن روزہ رکھتے ہوئے پایا آپ نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات عطا فرمائی، ہم

اس دن اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھتے ہیں نبی کریم ﷺ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے نعمت عطا فرماتے یا مصیبت دور کرنے پر معین دن میں اس کا شکر ادا کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا شکر مختلف عبادتوں مثلاً نوافل، روزے اور صدقے کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔نبی رحمت سیدنا و مولانا محمد ﷺ کے اس عالم رنگ و بو میں جلوہ افروز ہونے سے بڑی نعمت کونسی ہے؟

علامہ امام ابن حجر کا یہ قول امام سیوطی نے الحاوی للفتاوی میں نقل کیا ہے۔

اس گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کے میلاد شریف کا واقعہ سننے کے لئے جمع ہونا قرب الٰہی حاصل کرنے کا بڑا ذریعہ ہے، کیونکہ اس میں صاحب معجزات ﷺ کی تشریف آوری پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہدیہ تشکر پیش کیا جاتا ہے، نیز تقرب خداوندی کے دیگر ذرائع مثلاً۔کھانا کھلانا تحائف پیش کرنا، درود سلام کی کثرت کو اختیار کیا جاتا ہے۔

علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ میلاد شریف منانا اس سال میں امن و امان کا ذریعہ اور مقاصد کے حصول کے لئے فوری بشارت ہے اور اعمال کا دارومدار نیتوں پر۔واللہ تعالی اعلم۔

فائدہ

حافظ شمس الدین ابن الجزری اپنی کتاب،، عرف التعریف بالمولد الشریف،، میں فرماتے ہیں کہ ابولہب کو اس کی موت کے بعد خواب میں دیکھا گیا اسے پوچھا گیا کہ تیرا کیا حال ہے ؟ اس نے کہا کہ آگ میں ہوں، لیکن ہر پیر کی رات کو میرے عذاب میں تخفیف کردی جاتی ہے، اور اپنی انگلی کے پور کی طرف اشارہ کرے ہوئے کہا میں اپنی دو انگلیوں کے درمیان سے پانی چوستا ہوں اور یہ اس لئے ہے کہ جب (میری کنیز) ثوبیہ نے مجھے نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کی اطلاع دی اور اس نے اس آپ کو دودھ پلایا تو میں نے اسے آزاد کردیا تھا۔

ابولہب وہ کافر ہے جس کی مذمت میں قرآن پاک کی پوری سورت نازل ہوئی اسے آگ میں ہونے کے باوجود نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی کی جزائے خیر عطا کی گئی تو سید عالم ﷺ کی امت کے

مسلمان موحد کا کیا حال ہوگا ؟ جو آپ کی ولادت باسعادت پر خوشی مناتا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی محبت میں حسب استطاعت خرچ کرتا ہے، میری زندگی کے مالک کی قسم! اللہ کریم کی طرف سے اس کی جزا یہ ہوگی کہ اپنے فضل و کرم سے اسے جنات النعیم میں داخل فرمائے گا۔

فصل

س۔ذکر کے لئے جمع ہونے اور ذکر کے لئے منعقد کی جانے والی مجالس کا کیا حکم ہے؟

ج۔ذکر الٰہی کے لئے جمع ہونا سنت مطلوبہ اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا محبوب ذریعہ ہے، بشرطیکہ اجنبی مردوں اور عورتوں کے (بے حجابانہ) اجتماع ایسے حرام کاموں پر مشتمل نہ ہو۔

س۔بلند آواز سے ذکر کرنے اور اس کی مجالس منعقد کرنے کے مستحب ہونے پر کیا دلیل ہے؟

ج۔ذکر کے لئے جمع ہونے اور بلند آواز سے ذکر کرنے کی فضیلت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی بہت سی احادیث وارد ہیں چند ایک ملاحظہ ہوں۔

(ا) جو لوگ بیٹھ کر ذکر کرتے ہیں فرشتے ان کا حاطہ کر لیتے ہیں، رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے، ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ کے حاضرین میں ان کا ذکر کرتا ہے۔

اس حدیث کو اما مسلم نے روایت کیا۔

(۲) امام مسلم اور ترمذی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایک حلقے میں تشریف لائے اور فرمایا: تمہارے بیٹھنے کا مقصد کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد و ثناء کرنے کے لئے بیٹھے ہیں: فرمایا ہمارے پاس جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حوالے سے فرشتوں پر فخر فرماتا ہے۔

امام احمد اور طبرانی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب بھی کوئی جماعت جمع ہو کر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے ایک منادی انہیں آسمان سے ندا کرتا ہے کہ تم اس حال میں اٹھو کہ تمہاری مغفرت کردی گئی ہے اور تمہارے گناہ نیکیوں سے بدل دیئے گئے ہیں

یہ احادیث واضح طور پر ذکر اور کار خیر کے لئے اجتماع اور مل بیٹھنے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں ، اور ان

سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے حوالے سے فرشتوں پر فخر فرماتا ہے۔

(۴) بلند آواز سے ذکر کے مستحب ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے اس گمان کے پاس ہوتا ہوں ہے جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے، اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ اپنے
دل میں میرا ذکر کرے تو میں بھی اپنی ذات کی حد تک اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ کسی جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ جماعت میں ذکر بلند آواز سے ہی ہوتا ہے۔

(۵) امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ منافقین کہیں یہ ریا کار ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ منافقین یہ کہیں کہ یہ پاگل ہیں۔ یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ یہ باتیں ذکر خفی پر نہیں بلکہ بلند آواز سے ذکر کرنے پر ہی کہی جائیں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فائدہ علماء کرام عارفین اللہ تعالیٰ ان کی بدولت ہمیں نفع عطا فرمائے، فرماتے ہیں کچھ احادیث سے ذکر جہر اور کچھ احادیث سے ذکر خفی کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے ان کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ مختلف احوال اور مختلف اشخاص کا حکم مختلف ہے، ذکر کرنے والے کو دیکھنا چاہیئے کہ ان میں سے کون سا ذکر اس کے دل کے لئے زیادہ بہتر ہے اور کس ذکر میں اسے محویت حاصل ہوتی ہے؟ اسی کو اختیار کرے۔

ارباب معرفت نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جس شخص کو ریا کاری کا خوف ہو یا یہ خطرہ ہو کہ بلند آواز سے ذکر کرنے سے کسی نمازی یا دوسرے شخص کو پریشانی پیدا ہوگی تو اس کے لئے ذکر خفی بہتر ہے اگر یہ خطرہ نہ ہو تو ذکر جہر بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے (دل کے ساتھ کان اور زبان بھی ذکر میں مشغول ہے) اس کا فائدہ دوسرے تک پہنچتا ہے
(وہ ذکر کو سنے گا اسے بھی شوق پیدا ہوگا) نیز ذکر جہر سے دل زیادہ متاثر ہوتا ہے اور انہماک بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے ہر آدمی کے لئے نیت کے مطابق اجر ہے، دونوں کے رازوں سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہے۔

الحدیث۔تم میں سے جو مجھ پر زیادہ درود پڑے گا، قیامت کے دن وہ میرے سب سے زیادہ نزدیک ہوگا۔

حضرت عیسیٰ کی انقلابی

مسیحی برادری کی توجہ کے لئے

اہل اسلام کا وحی اور تاریخ کے مصدقہ اور معتمد علیہ نصوص اور شواہد کی بناء پر یہ پختہ، عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ پہلا اور آخری دین اور عالم انسانی کی جامع اصلاح اور فلاح کا واحد راستہ اسلام ہے ،، یہی وہ دین ہے جس کی تبلیغ و توضیح حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جملہ انبیائے سابقین نے کی اور اسی دین کے اعلان و اظہار کے لئے ختمی مرتبت ﷺ مبعوث کئے گئے اور یہی وہ راستہ ہے جس پر تمام انبیاء کرام اپنے اپنے دور میں چلتے رہے اور اپنی امت کو اس راستہ پر چلنے کی تلقین کرتے رہے،

اور اسی دین کی تکمیل آنحضور ﷺ کے عہد نبوت میں ہوئی اور اب نہ دوسرا کوئی دین ہوگا ، نہ کوئی دوسرا نبی آئے گا، اور نہ ہی کوئی دوسری امت تشکیل پا سکے گی، اسلام سے باہر کے تمام راستے اعتزال اور انحراف کے راستے ہیں، اسی اصولی عقیدے کی بنیاد پر امت مسلمہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اپنے نبی پر ایمان کے ساتھ ساتھ جملہ انبیائے سابقین پر ایمان لانے کی مکلف اور پابند ہے خواہ اس نبی کے بزعم خویش امتی اور پیروکار مسلمانوں کے پیغمبر کے بارے میں کیسا رویہ رکھتے ہوں، چنانچہ مسلمانوں کی چودہ صدیوں کی تاریخ اس امر پر شاہد عادل ہے کہ یہودی اور مسیحی برادری کی طرف سے پیغمبر اسلام ﷺ پر مختلف زاویوں سے تنقید بلکہ توہین کے باوجود نہ زبانی اور نہ تحریری ایک بھی جملہ اہل اسلام کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف صادر نہیں ہوا، یہ محض عالمی رد عمل سے بچاؤ اور مختلف مذاہب کے پیروکروں کی دلجوئی کے لئے نہیں بلکہ اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے ہے، کیوں کہ ایک مسلمان رسول کریم ﷺ پر جان چھڑکنے کے باوجود اس وقت دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے جب وہ کسی بھی دوسرے نبی کی صراحۃ یا کنایۃ توہین یا انکار کا مرتکب ہو، اس عقیدے میں اسلام کے اس مشترکہ ورثے کا دخل ہے جو عہد بہ عہد پہلے نبی سے آخری نبی تک ایک دوسرے کے ہاں منتقل ہوتا رہا اور یہی

ورثے کا اشتراک ہے جسے بدقسمتی سے افتراق میں بدل دیا گیا، عہد قدیم میں بیک وقت مختلف علاقوں میں متعدد انبیاء دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور ان کے پیروکاروں کے درمیان معمولی کدورت، رنجش، جھڑپ یا مسابقت کا ایک بھی مدھم سا نشان تاریخ میں نہیں ملتا، اور اس کے ساتھ ساتھ پیش رو نبی اپنے جانشین نبی کے لیئے اپنی امت کو اس کی نصرت، حمایت، اور اطاعت کا حکم دیتا رہا، تا آنکہ آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے نبوت کے اس سنہری سلسلے کو مکمل تیار کر دیا اور اپنی نبوت کی تصدیق کو جملہ انبیائے سابقین کی تصدیق کے ساتھ مشروط کر دیا اور نبوت اور رسالت کے نام پر انسانیت کے درمیان کسی بھی نوع کی تفریق، تقسیم اور تحزب کے تمام راستے بند کر دیئے،

خود عہد رسالت میں یہود و نصاریٰ کا رویہ انتہائی سوقیانہ رہا لیکن حضور نبی کریم ﷺ نہ تو خود کسی منفی ردعمل کا شکار ہوئے اور اپنی جماعت کو کسی طرح کے تعصب اور تحذب کی ہوا لگنے دی، اس سارے معاملے کی ایک جوہری وجہ یہ بھی ہے کہ نبوت کا منصب کسی سیاسی پارٹی کے سربراہ کا منصب نہیں اور نہ ہی کسی برادری کے سرپنچ کا! جہاں دوسری پارٹیوں سے اختلاف اور دوسری برادریوں سے نفرت کے بغیر نہ عہدہ باقی رہتا ہے اور نہ پارٹی اور برادری کا تشخص بلکہ نبوت خالصتاً الٰہی پروگرام کی تکمیل کا منصب ہے جو اپنے احاطے میں پوری بنی نوع انسانی کو لئے ہوتا ہے اور نوع انسانی نام ہے کالے اور گورے کا، شرقی اور غربی کا، عربی اور عجمی کا، شہری اور بدوی کا، امیر اور غریب کا، ایشیائی اور افریقی کا، اور ہر اس شخص کا جو اولاد آدم ہے، چنانچہ دائرہ نبوت میں کسی کشمکش، کسی مغائرت، کسی حسد، کسی مسابقت، کسی تردید اور کسی مشاجرت کا کوئی امکان نہیں، اسی لئے نبوت کے پورے سلسلے میں ایک بھی کڑی کہیں ٹوٹی ہوئی یا الجھی ہوئی نظر نہیں آتی، ہماری اس فلاسفی پر تاریخ کے دور اور نزدیک کے تمام گوشے برابر روشنی ڈال رہے ہیں، لیکن بعد میں کیا ہوا؟

اس کی بھی ایک تاریخ ہے جس سے ہر اہل علم باخبر ہے، جب تک تو اسلام۔ بطور دین رہا اور نصح کے جذبے کے ساتھ تمام معاملات چلتے رہے،

لیکن یار لوگوں کو جب فرقے اور گروہ سوجھے تو کوئی یہوذی بن بیٹھا اور کوئی عیسائی، اور خود اپنے انبیاء کی تعلیمات کو اپنی خواہش اور مفاد کے قالب میں ڈھال لیا، آج جو مذہبی خانے میں مذہب کے اندراج پر احتجاج اور گستاخ رسول ﷺ کی سزا پر اعتراض ہوتے ہیں یہ سب اسی ذہنیت کا شاخسانہ ہے اس سب کے

باوجود کوئی مسلمان کسی کونے کھدرے میں چھپ کر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے پر شک کا اظہار کرتا ہے اور نہ ان کی شخصیت پر کوئی اعتراض! بلکہ دل میں سوچے تو وہ سب کچھ ہو سکتا ہے مسلمان نہیں ہو سکتا یہ سوچ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی جوہری تعلیم کے منافی ہے۔

اگر دینی جذبے اور اخلاص نیت کے ساتھ اسلامی انقلاب کے فلسفے کا مطالعہ کیا جائے تو عیسائیوں اور یہودیوں کو اہل اسلام کے دوش بدوش ہو کر اس اسلام کے غلبے کے لئے کام کرنا چاہیئے جو حضرت موسیٰ علیہ اسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین رہا ہے اور اسی دین کی حقانیت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور آل فرعون سے ٹکر لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہی کوششوں کے باعث شر پسندوں اور باطل پرستوں کے ہاتھوں تختہ دار تک پہنچائے گئے لیکن (مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق) وہ خدائی سکیم کے تحت بچ گئے، چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت عہد وسطیٰ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ان کی شریعت کا وہی عہد تھا جو ختم ہو گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اپنے قول کے مطابق بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں رہے،، اس لئے ان کا دور بھی نہ رہا جبکہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے پیش رو تمام انبیاء کی جزوی کوششوں کو بتمام وکمال نتیجہ خیز بنایا، ان کی علاقائی جدوجہد کو عالمی رنگ بخشا، ان کی قومی دعوت کو بین الاقوامی دعوت کے قالب میں ڈھالا، ان وقت کی آواز کے ساتھ مشروط تبلیغ کو ابدی حیثیت اور ہمہ گیر نوعیت عطا کی اس لئے آپ کا مشن اب عالمی، آپ کا پیغام اب بین الاقوامی اور آپ کی دعوت اب بنی نوع انسان کی دعوت کا درجہ رکھتی ہے، فلہذا اب ان تمام لہروں کو ایک دھارا بننا چاہیئے اور عالمی اسلامی انقلاب کا مخلص کارکن بن کر اس اسلام کو پوری دنیا کا دین بنانا چاہیئے جس کی تبلیغ اپنے اپنے عہد میں موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کرتے رہے، قرآن مجید سے ہٹ کر بھی اگر ان دو جلیل القدر پیغمبروں کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو بعد کی تحریفات کو حذف کر کے باقی وہی کچھ ہے جو پیغمبر آخر الزمان ﷺ نے کہا اور کیا، اس وقت ہمارے پیش نظر مسیحی برادری کو مخاطب کرنا ہے جو بوجہ ان لوگوں کا آلہ کار بنتی آرہی ہے جنہیں سرے سے کسی مذہب اور دین سے آگہی اور وابستگی نہیں بلکہ دین اور مذہب کو آثار قدیمہ کا درجہ دیتے ہیں جنہیں جھاڑ پونچھ کر تو رکھنا چاہیئے لیکن زندگی میں داخل ہونے کا موقع نہیں دینا چاہیئے، مسیحی برادری اپنی توانائیاں یوں ضائع نہ کرے بلکہ وہ بھی اہل اسلام کے ان انقلابی افراد کی ہمسفر بنے جو مروجہ

سیاست کی فریب کاریوں اور موجودہ فرقوں کی فتویٰ بازیوں سے دور بلکہ نفو ہیں، ایسے افراد کی رائے میں اس وقت مسلہ اپنی بھیڑوں کے بچاؤ کا نہیں،، بلکہ اس باڑھ کی حفاظت کا ہے جو کسی طرح محفوظ نہ رہ سکی تو انسانی دنیا بھیڑیوں کے جبڑوں میں چلی جائے گی ایک نہیں کئی بھیڑیے خونیں دہانے کھولے ہنکار رہے ہیں، استعمار کا بھیڑیا، ظلم کا بھیڑیا، جرم کا بھیڑیا، ہوس کا بھیڑیا، نفرت کا بھیڑیا، نسل رنگ اور زبان کا بھیڑیا، بارود کا بھیڑیا، ہولناک کشیدگی کا بھیڑیا، خود بیزاری اور مردم آزاری کا بھیڑیا، انسان پر انسان کے کنٹرول کی خواہش کا بھیڑیا، آخر کس کس بھیڑیے کا نام لکھا جائے۔

حضرت انسان کی جان اور آبرو صرف اسی ایک صورت میں بچنے کا امکان ہے کہ وہ ان معصوم اور پوتر، خدا کے محبوب، زمانے بھر کے محسن، ذاتی آلائش اور جزبہ ستائش سے بالا، بندگی رب اور محبت آدم کا درس دینے والے انبیاء کرام کی تعلیمات کو بے میل اور بے لوث طریقے سے سمجھے اور انہیں روبہ عمل لانے کا جتن کرے، اس لئے کہ نبوت کی فکر کسی خانے میں بٹی ہوئی نہیں سارے زمانے کے لئے ہوتی ہے انہیں خدا کا قرب بندوں سے پیار سے ملنے کا راز معلوم ہوتا ہے، وہ کسی کے حریف بن کر نہیں آئے سب کے دوست بن کر رہے، وہ خود کسی پر غلبے کی خواہش نہیں رکھتے بلکہ عالم پر خیر، نفس پر ضبط، جرم پر رحم، ظلم پر عدل، آزار پر پیار اور حیوانیت پر انسانیت کے غلبے کا پروگرام رکھتے تھے، فکر زر اور جبر کے نمائندوں نے ان میں سے کسی کو دیس نکالا دیا، کسی کو آرے میں رکھ کر چیرا، کسی بن باس بننے پر مجبور کیا کسی کو زہر دیا، کسی کو قتل کیا، اور کسی کو سولی چڑھایا، اب ہم سب کا فرض ہے کہ مکر، زر اور جبر کے سالخورد گرگ کے ہلتے دانت جڑوں سمیت اکھیڑ لیں تا کہ ان مظلوم انبیاء کی روحوں کو سکون بہم پہنچا سکیں جنہوں نے صرف ہماری خاطر، ہم انسانوں کی خاطر، انسانوں کی آبرو کی خاطر خود کو نمرود کے الاؤ کی نذر کیا، اپنے آپ کو ٹکٹکی پر بندوایا، اور بنفس نفیس ہجرت کا عذاب سہا،

حضرت مسیح علیہ السلام عہد رومۃ الکبریٰ میں مبعوث ہوئے اور اپنے انقلابی پروگرام کا آغاز فرمایا رومی عہد اس لحاظ سے اگرچہ ایک یادگار عہد ہے کہ اس نے قبائلی سرداری کی جگہ باقاعدہ ایک ریاست اور حکومت کی بنیاد رکھی جس میں بین الاقوامی شان جھلکتی ہے، یوں سوچ کا افق اور عمل کا دائرہ بہت حد تک وسیع ہوا، لیکن اس کے بطن سے استعماریت کا منحوس بچہ برآمد ہوا، اسی طرح روم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے دنیا کو پہلی

بار ایک تحریری دستور اور باقاعدہ نظام قانون سے روشناس کرایا لیکن وہ آئین اور قانون اس اعتبار سے ناقص بلکہ باعث شرم تھا کہ اس میں انسانوں کو مختلف کانوں میں بانٹ دیا گیا تھا، جسٹینین جو پہلے باضابطہ آئین کا خالق اور روم کا بادشاہ تھا اس نے اپنے نظام تعزیرات میں سزاؤں کے لئے طبقاتی امتیاز ملحوظ رکھا، جہاں قانون خود بالا و پست میں تفریق روا رکھے وہ معاشرہ قابل رشک کیسے ہو سکتا ہے؟

ایسے آئین کے ہوتے ہوئے متوقع تھا کہ غریب بیچارے پستے اور امراء داد عیش دیتے رہیں، چنانچہ اسی طرح ہوا رومی تہذیب ایک عیاش تہذیب ثابت ہوئی ایسے ماحول میں کہ جب رومیوں کے عیش کدے غریبوں کا مذاق اڑانے لگے، محلات کے چراغوں میں غریبوں کا خون جلنے لگا، فلک بوس بنگلوں میں اینٹ، گارے اور مسالے کی جگہ غریبوں کا پسینہ خون اور ہڈیاں کام آنے لگیں، تو اس وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی صدائے انقلاب ابھری اور رومی عیش کدوں کے در و دیوار سے جا ٹکرائی، سکاری فقیہ اور ریاکار فریسی آپ کی مخالفت میں آگے آگئے، ایسے ہی لوگوں کے جبوں، حلوں، عباؤں، قباؤں، اور عماموں کی اوٹ میں عہد قدیم میں اور آج بھی امراء اور سلاطین اپنا دھندا چلاتے، عام لوگ اس ڈر سے اف نہ کرتے کہ کہیں ارتداد کا فتویٰ نہ لگ جائے۔

عیسیٰ روح اللہ کا خاندان اگرچہ خود معبد اور ہیکل کا خادم اور متولی چلا آ رہا تھا لیکن اس بے تاب روح کی حامل بے عیب اور بے لوث شخصیت نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ سیاسی استبداد، انتظامی جبر اور ذہبی ریاکاری کے نقاب کا آخری تار تک نوچ کر دم لیں گے آپ نے معبد اور ہیکل کے توسط سے شاہی ایوان کا قرب حاصل کرنے کی بجائے بحیرہ احمر کے کناروں پر آباد ملاحوں اور مچھیروں کی بستیوں کا رخ کیا، ان میں روح انقلاب پھونکی، درس حریت دیا اور اس کام کے لئے آمادہ و مستعد بنانے کا سلسلہ شروع کیا، ریاستی طاقت اور حکومتی وسائل کے مقابلے میں اپنے اور اپنے پیروکاروں کے اندر ضبط، عدم تشدد اور نظم کا وصف پیدا کیا اگرچہ مد مقابل طاقت کے پاس تلوار تھی مگر آپ کی بات اور آپ کے پیغام میں تلوار سے زیادہ کاٹ تھی طبقہ امراء تک جب آپ کے وعظ، خطبے اور درس کے چرچے پہنچتے تو وہ غصے، قہر اور انتقام سے تلملا اٹھتے، شروع شروع میں امراء اور روساء حسب عادت کسی جوابی کاروائی سے گریز کرتے رہے اور یہ سمجھ کر ٹالتے رہے کہ ان ملاحوں، مچھیروں، گھسیاروں اور لکڑہاروں کی جماعت سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟ یہ بے چارے

ایک دھمکی کی تاب نہیں لا سکتے، لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ بعض اوقات نمرود کی ،، خدائی ،،، کا زعم توڑنے کے لئے ایک مچھر ہی کافی ہوتا ہے۔

جناب عیسیٰ کی روز مرہ زندگی اپنے انقلابی پروگرام کا جیتا جاگتا مرقع تھی غریبوں کا سا کھا جا ، پہنا وا اور اوڑھاوا، مسکینوں جیسی وضع قطع اور بود و باش عام لوگوں کی طرح رہن سہن اور انداز زیست، آپ کی ذات میں طمع، جلب، زر، ہوس دنیا، لذت اندوزی، آسائش طلبی اور حب جاہ نام کو نہ تھی، انسانوں سے پیار اور ان کی خدمت آپ کا نمایاں وصف تھا قریہ قریہ گھوم پھر کر ضرورت مندوں کی خبر گیری کرتے، بیماروں کی مزاج پرسی اور دردمندوں کی غمخواری فرماتے۔

آپ کی بے لوثی، بے غرضی اور جرات رنگ لائی ،سینکڑوں ہزاروں دل انقلاب کی تپش سے آشنا ہو گئے ،لوگوں کے ضمیر اور ذہن چمک اٹھے، بیسیوں افراد اپنا سب کچھ دے کر آپ کے حواری بن گئے۔

تاریخ کی مکروہ روایت کے مطابق کوئی وڈیرہ، تمن، خان، نواب، زمیندار، چوہدری، سرکاری اہلکار اور مراعات یافتہ شخص آپ پر ایمان نہ لایا، آپ کے جان نثاروں میں کوئی مچھیرا تھا اور کوئی رنگ ساز، کوئی باربردار قلی اور کوئی گھسیارا تھا، کوئی چمڑا رنگنے کا کام کرتا تھا اور کوئی چرواہا تھا، آپ کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ دولتمندوں کی خمن ہوس پر برق بن کر گرتا، آپ کا وعظ ان لوگوں کی رگوں میں نشتر بن کر چبھتا جن کے ایک ایک ریشے میں حرام خون اور فاسد مادہ بھرا ہوا تھا، آپ کے خطبے مترفین کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح داخل ہوتے، آپ کے شعلہ فشاں مکالمے ارباب اقتدار کے لئے موت کے سندیسے ہوتے، آپکے درس کی طوفانی لہریں گھٹیا مفاد۔مریض سوچ، اپاہج نظام اور غلیظ روایات کو بہا کرلے جاتیں۔آپ کے خطبات وراشادات پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا پرست آپ کو پھانسی دینے کے منصوبوں کے علاوہ کیا سوچ سکتے تھے؟ کہ لفظ آگ برساتے، لہجہ شعلے اگلتا، حرف چنگاریاں بھڑکاتے۔انداز طوفان اٹھاتا، آہنگ قیامت برپا کرتا اور پیغام ہلچل مچاتا تھا، آپ کی نظر کسی زر پرست پر پڑھتی تو فرماتے۔اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزر جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہوں،، (انجیل) احبار ور ہبان کی حکومت نواز، عوام دشمن اور ریا کارانہ روش کے خلاف آپ ہمیشہ سراپا احتجاج رہے آپ ہیکل کی سیڑیوں پر کھڑے ہو جاتے اور بلند آواز ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرماتے،

الحدیث۔تم میں سے جو مجھ پر زیادہ درود پڑے گا، قیامت کے دن وہ میرے سب سے زیادہ نزدیک ہوگا۔

اے ریا کار فقیہو اور فریسو! تم پر افسوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو کیوں کہ نہ آپ اس میں داخل ہوتے ہو، اور نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو، اے ریا کار فقیہو اور فریسو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لئے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دگنا جہنم کا فرزند بناتے ہو۔

اے اندھے رہنماؤ! تم پر افسوس ہے، جو کہتے ہو کہ اگر کوئی مقدس کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن اگر وہ مقدس کے سونے کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا۔

اے احمقو اور اندھو! کون بڑا ہے سونا یا مقدس؟ جس نے سونے کو مقدس کیا۔

اے ریا کارو فقیہو اور فریسو! تم پر افسوس ہے کہ پودینے اور سونف اور زیرے پر دھمکی دیتے ہو اور (جبکہ) تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف، رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔

اے اندھے راہ بتانے والو! جو مچھر کو چھانتے ہو اور اونٹ نگل جاتے ہو،، (انجیل)

آپ کبھی انقلاب کا صور یوں پھونکتے۔

اے ریا کار فقیہو اور فریسو! تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر قسم کی نجاستوں سے بھری ہوتی ہیں، اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریا کاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہو۔اے سانپو، اے سانپ کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے؟ (انجیل)

(یہ جملہ اقتباسات، متی باب ۲۳، اور آیات ا تا ۲۶ سے لئے گئے ہیں)

کبھی آپ اپنے کارکنوں کو تلقین فرماتے۔

دیکھو یہ فقیہ اور فریسی جو موسیٰ علیہ السلام کی گدی پر بیٹھے ہیں جو کچھ وہ بتائیں وہ سب کرو اور مانو ، لیکن ان کے سے کام نہ کرو وہ اپنے سب کام لوگوں کو دکھاوے کے لئے کرتے ہیں۔وہ بڑے بڑے تعویذ بناتے ہیں ، اپنی پوشاک کے کنارے چوڑے رکھتے ہیں۔ضیافتوں میں صدر نشینی اور معبدوں میں بلند و بالا کرسیاں اور بازاروں میں سلام لینا اور خود کو ربی کہلانا پسند کرتے ہیں،،

بہر کیف حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے حیات بخش پراگرام کے ذریعے معاشرے میں زندگی کی لہر دو

زادی آپ کے سینکڑوں شاگرد کئی صدیوں تک لوگوں کے لئے عمدہ سیرت و کردار کا نمونہ بنے رہے، آپ نے بیک وقت روم کے حکم رانوں کی شہ خرچیوں، یہودی فریسیوں کی ابلیسی چالوں، اور طبقہ امراء کی خرمستیوں کے خلاف جہاد کیا۔

اسی جہد مسلسل اور مثبت اور حیات آفرین پروگرام کا نتیجہ تھا، کہ روم کے عظیم فرمانروا اس تحریک اور دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکے اور خود عیسائی مذہب اختیار کر لیا لیکن یہی روم بعد میں دین مذہب سے بیگانہ ہو کر ظلم و جبر اور لہو ولعب میں مبتلا ہو گیا اور رفتہ رفتہ ہوس ملک گیری کا اسیر بن کر اردگرد کے پڑوسیوں کے لئے شامت بن گیا اور ایک عرصے بعد اس کی استعماری کی نخوت اور خودسری کا خاتمہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں ہوا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان انقلابی افکار اور حضور نبی کریم ﷺ کی مقدس تعلیمات میں سر مو فرق نہیں نہ لفظوں کا اور نہ لہجے کا! ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے درمیان فکر کا یہ تسلسل دراصل دلیل ہے ایک ہی ذریعہ علم کی اور وہ ہے وحی الٰہی اور الٰہی مشن فی الحقیقت انسانیت کی دینوی اصلاح اور اخروی فلاح کا مشن ہے جس کی تکمیل میں ہر نبی اور رسول نے حصہ لیا اور آخری نبی نے اس کی تکمیل فرمائی۔

مسیحی برادری کو چاہئے علم وفضل اور معلومات و ابلاغ کے اس دور میں وہ اپنے درمیان کے فقیہ اور فریسی پہچانیں جو انہیں اسی دجل و تلبیس سے گمراہ کیے ہوئے ہیں جس طرح زمانہ قدیم میں احبار و رہبان نے عوام کو کر رکھا تھا اور لاکھوں لوگ سرچشمہ ہدایت اور رسولوں کی قیادت سے محروم ہو گئے۔

مسئلہ اس وقت گروہی نوعیت کے مفادات اور تشخیصات کے حصول اور استحکام کا نہیں بلکہ مذہب (دین) کو ایک انقلابی قوت کے طور پر ارباب زر و جاگیر، اور اعیان سلطنت اور ان کے اعوان و انصار کے خلاف استعمال کر کے صالح انقلاب برپا کرنے کا ہے جن کی دسیسہ کاریوں اور بداعمالیوں نے معصوم بچوں تک ان کی معصومیت چھین لی ہے اور ہر فرد بشر کو اسیر ہوس اور شیدائے جرم، سنگدل، خائن، اور بے رحم نسل کے پیش رو کہلائیں؟ ہرگز نہیں۔

چند مچھلیوں نے پورا جل گندا کر رکھا ہے ورنہ انسان کے ہاتھ میں آج بھی نبوت کی شمع ہے جس کی روشنی میں وہ اپنی فلاح کا راستہ ڈھونڈھ سکتا ہے، اور خدا کسی راہ کو ڈھونڈنے والے کو منزل سے محروم نہیں کرتا۔

الحدیث۔تم میں سے جو مجھ پر زیادہ درود پڑے گا، قیامت کے دن وہ میرے سب سے زیادہ نزدیک ہوگا۔

شہسوار اسلام حضرت

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

تحریر: علامہ محمد عبداللہ حاجی فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

نام ونسب

اسم گرامی "سعد" اور کنیت ابواسحٰق" تھی باپ کا نام "مالک" اور کنیت ابووقاص تھی حضرت سعد بن ابی وقاص کا خاندان قریش تھا۔ وہ قریش کی معزز شاخ بنوزہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔

(۱) صحیحین میں ان کا سلسلہ نسب اس طرح منقول ہے "ابی اسحٰق بن ابی وقاص مالک بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی القریشی الزہری۔

آپؓ کی والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان بن امیہ بن عبدالشمس تھا۔ اور بنوامیہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ پانچویں پشت میں کلاب بن مرہ پر ان کا سلسلہ نسب رسول کریم ﷺ کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ بھی قبیلہ زہرہ سے تھیں۔

اور حضرت سعدؓ کے والد ابووقاص مالک رشتہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے ماموں ہوئے تھے۔ اور حضرت سعدؓ ماموں زاد بھائی۔ حضور نبی کریم ﷺ کبھی کبھی ازراہ محبت وشفقت حضرت سعدؓ کو بھی ماموں کہہ کر پکارتے تھے۔

حلیہ

محمد بن عجلان سے روایت ہے کہ حضرت سعدؓ سیاہ خضاب لگاتے تھے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ وہ سیاہی سے بال رنگتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بنت سعدؓ سے مروی ہے کہ میرے والد کہتر قامت، جسم اور بڑے سر والے تھے، انگلیاں موٹی تھیں اور بال بہت تھے۔ (۲)

قبول اسلام

حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی سے تقریباً تیس برس پہلے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔سرور عالم ﷺ کی بعثت کے وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا عنفوان شباب تھا۔جونہی ان تک دعوت توحید پہنچی ،انہوں بلا تأمل اس پر لبیک کہا اور ”سابقون الاولون“ کی مقدس جماعت میں شامل ہوگئے۔ اسد الغابۃ میں ہے کہ آپؓ چھ آدمیوں کے بعد اسلام لائے اور بعض کے نزدیک چار آدمیوں کے بعد اسلام لائے حضرت سعدؓ سے مروی ہے کہ میں نماز فرض ہونے سے پہلے مسلمان ہوا تھا، یہ ان میں ہیں جن کے جنتی ہونے کی گواہی حضرت محمد ﷺ نے دی ہے۔

قبول اسلام پر ایذا وابتلاء

قبول اسلام کے بعد انہوں نے کوئی ایسی سختی اور مصیبت نہ تھی جو مشرکین کے ہاتھوں نہ جھیلی ہو۔کفار سے گالیاں کھائیں، طعنے سہے اور جسمانی اذیتیں برداشت کیں۔لیکن کیا مجال کہ ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش آئی ہو۔

دعوت حق کے آغاز میں بعض صحابہ کرامؓ کفار کی شرانگیزیوں سے بچنے کے لئے مکہ کے قریب پہاڑوں کی سنسان گھاٹیوں میں چھپ کر خدائے واحد کی عبادت کیا کرتے۔

حضرت سعدؓ بھی انہی نفوس قدسیہ میں شامل تھے، ایک دن وہ دوسرے چند صحابہؓ کے ساتھ ایک ویران گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ چند مشرکین ادھر آنکلے، انہوں نے ان پر حملہ کردیا۔

حضرت سعدؓ کی اٹھتی جوانی تھی۔انہیں جوش آگیا، پاس ہی اونٹ کی ایک ہڈی پڑی تھی، اسے اٹھا کر مشرکین پر ٹوٹ پڑے۔ایک مشرک کا سر پھٹ گیا اور اس میں سے خون بہنے لگا، اب دشمنان اسلام نے وہاں سے بھاگنے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص پہلے شخص ہیں جنہوں نے حق کی راہ میں خونریزی کی۔ہجرت سے قبل وہ تین سال تک حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہے۔شعب ابی طالب کی محصوری اگرچہ بنی ہاشم اور بنو مطلب سے مخصوص تھی۔لیکن حضرت سعد نے ہاشمی اور مطلبی نہ ہونے کے باوجود محض اللہ تعالیٰ اور اللہ کے حبیب کی خاطر بنو ہاشم اور بنو مطلب کا ساتھ دیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو انہیں سوکھے چمڑے کا ایک ٹکڑا کہیں سے مل گیا۔انہوں نے اسے پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا، کوٹ کر پانی میں گھولا اور ستو کی طرح پی کر پیٹ کی آگ بجھائی(۴)۔

ہجرت مدینہ

حضور نبی کریم ﷺ نے جب صحابہ کرامؓ کو یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کی اجازت دی تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اپنے بھائی حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ اور دوسرے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

صحیح بخاری میں حضرت براءؓ انصاری سے روایت ہے:

اول من قدم علینا مصعبؓ بن عمیر وابن کلثومؓ
وکان یقرء ان الناس ،فقدم بلالؓ وسعدؓ و عمار

ہمارے پاس (یعنی مدینہ میں) سب سے پہلے مصعبؓ بن عمیر اور ابن کلثوم وارد ہوئے۔یہ دونوں لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ان کے بعد حضرت بلالؓ حضرت سعدؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ آئے۔یثرب پہنچ کر حضرت سعدؓ اور حضرت عمیرؓ اپنے بڑے بھائی عتبہ کے مکان پر فروکش ہوئے۔عتبہ نے جنگ بعاث سے قبل مکہ میں ایک شخص کو قتل کردیا تھا اور قصاص کے خوف سے بھاگ کر یثرب میں پناہ لی تھی عتبہ اگرچہ مشرک تھا، لیکن اس نے نہایت اخلاق سے اپنے دونوں بھائیوں کو اپنے پاس ٹھرایا، لیکن اس کی اسلام دشمنی نے بھائیوں کو ذرہ برابر بھی متاثر نہ کیا۔اور شروع سے لیکر آخر تک اسلام سے ان کی شیفتگی برقرار رہی۔

مرد صالح

مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد کا زمانہ بڑا پر خطر زمانہ تھا۔دشمنان اسلام مدینہ تشریف لائے تھے تو ایک شب حضور ﷺ کی نیند اچاٹ ہوگئی۔آپ ﷺ نے فرمایا کاش کوئی رجل صالح (مرد صالح) آج پہرہ پر ہوتا۔اتنے میں ہم نے ہتھیاروں کی جھنکار سنی۔حضور نبی کریم ﷺ نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا میں سعدؓ ہوں۔فرمایا کس لئے آئے ہو؟ عرض کی میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کی نسبت خوف پیدا ہوا

۔اس لئے پہرہ دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور سو گئے (۵)

غزوات میں شرکت

ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص تقریبا ہر غزوہ میں شریک ہوئے رمضان المبارک ۲ھ میں بدر کے میدان میں کفر وحق کا معرکہ اول پیش آیا۔تو حضرت سعدؓ نے والہانہ جوش وخروش سے حصہ لیا۔اثنائے جنگ میں ان کا مقابلہ قریش نامی بہادر بن عاص سے ہوگیا، انہوں نے فوراسے کو خاک وخون میں ملا دیا۔غزوہ بدر میں حضرت سعدؓ کے نوعمر بھائی عمیرؓ شہید ہوگئے۔

جنگ احد میں جب سوئے اتفاق سے لڑائی کا پانسہ بدل گیا۔اور مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو حضرت سعدؓ ان اصحابؓ میں سے تھے جو شروع سے آخر تک رحمت عالم ﷺ کی ڈھال بنے رہے۔ سید نا حضرت علیؓ بن ابی طالب سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی رکریم ﷺ سے سوائے سعدؓ کے کسی کے لئے نہیں سنا کہ آپ ﷺ نے اس پر اپنے والدین کو فدا ہونے کو کہا۔میں نے یوم الاحد میں یہ فرماتے سنا۔

یا سعد ادم فداک ابی وامی

(اے سعد تیر اندازی کرو، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں)

عائشہ بنت سعدؓ نے اپنے والد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت کی کہ انہوں نے کہا ہ اشعار)

الاهل اتى رسول الله أنى

حميت صحابتى بصدور نبلي

ازود بها عدوهم ذيادا

بكل حزونة وبكل سهل

فما يعتد رام من معد

بسهم مع رسول الله قبلي

ترجمہ(۱) اے وہ کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہے۔میں نے اپنے تیروں کی نوک سے اپنے ہمراہیوں کی حفاظت کی۔

(۲) میں ان تیروں کے ذریعے ان کے دشمن کو دفع کرتا تھا۔ ہر سخت زمین سے اور ہر نرم زمین سے۔(۳) مجھ سے پہلے کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کا تیرانداز شمار نہیں ہوتا تھا۔(٦) غزوات بدر واحد میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ نے جس جانبازی اور جذبہ فدویت کا مظاہرہ کیا۔ بعد کے تمام غزوات میں بھی وہ اسی جذبہ کے ساتھ شریک رہے۔مورخین نے بدر، احد احزاب، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ حضرت سعدؓ کی شرکت کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

عہد صدیقیؓ فاروقیؓ میں

۱۱ھ میں حضور نبی کریم ﷺ نے رحلت فرمائی۔اور حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ مقرر ہوئے تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے بلاتأمل بیعت کرلی حضرت ابوبکرؓ نے انہیں بنوہوازن کا عامل مقرر کردیا۔۱۳ھ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ مسند خلافت پر بیٹھے انہوں نے بھی حضرت سعدؓ کو اس منصب پر برقرار رکھا لیکن قدرت انہیں کسی عظیم تر مقصد کے لئے منتخب کر چکی تھی۔

جنگ قادسیہ

حضرت عمرؓ نے ایران جانے والی فوجوں کی قیادت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے سپرد کی حضرت سعدؓ چار ہزار سرفروشوں کے ساتھ مدنہ منورہ سے روانہ ہوئے۔راستے میں باری باری کئی دستے انکے ساتھ مل گئے۔اور فوج کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی،

حضرت سعدؓ مدینہ سے ثعلبہ پہنچے۔وہاں سے شراف اور شراف سے کوچ کر کے عذیب پہنچے، جو ایرانیوں کی سرحدی چوکی تھی۔عذیب میں چند دن کے قیام کے بعد حضرت سعدؓ نے قادسیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔شاہ ایران یزدگرد نے اپنے سپہ سالار رستم کی زیر قیادت ایک لشکر جرار قادسیہ روانہ کیا،

حضرت سعدؓ نے تین چار سفارتیں روانہ کیں۔لیکن صلح کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔رستم بڑے جاہ جلال کے ساتھ دریائے فرات سے پار اترا۔اور مسلمانوں کے سامنے صف آرائی کی۔اس وقت دو لاکھ جنگجو اس کے جھنڈے تلے جمع تھے، دوسری طرف اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ایرانیوں نے سب سے پہلے جنگی ہاتھیوں کو مسلمانوں کیطرف دھکیلا۔بنی تمیم نے تکبیر کا نعرہ لگا کر اس جوش سے حملہ کیا کہ ہاتھیوں کے منہ پھیر دیے۔اور ان کے سواروں کو اپنے نیزوں اور تیروں سے نیچے گرادیا، اب دونوں

فوجوں میں دست بدست گھمسان کی لڑائی ہوئی قادسیہ کی جنگ کا یہ دوسرا یوم الارماث کا دن کہلاتا ہے ۔اس دن پانچ چھ سو کے قریب مسلمان شہید ہوئے۔اور ہزار ہا ایرانی ہلاک ہوئے۔

دوسرے دن دونوں فوجیں پھر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوگئیں طبل جنگ پر چوٹ پڑی ہی تھی کہ قعقاعؓ بن عمرو تمیمی شام سے ایک ہزار جانبازوں کے ساتھ پہنچ گئے۔اس کمک کے پہنچ جانے سے مسلمانوں کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔مقابلہ شروع ہوا تو پہلے دن کی طرح ہاتھیوں نے پھر مسلمانوں پر قیامت ڈھادی۔حضرت قعقاعؓ نے اس مصیبت سے تدارک کے لئے اونٹوں پر بڑی جھولیں ڈال کر انہیں بھی ہاتھیوں کی مہیب بنا دیا، ایرانیوں کے گھوڑے انہیں دیکھ کر بدکتے اور مسلمان کے سواروں کو اپنے نیزوں پر رکھ لیتے، عین اس وقت حضرت ہاشمؓ بن عتبہ پانچ ہزار نوجوانوں کی امداد فوج کے ساتھ شام قادسیہ پہنچ گئے۔اس تائید غیبی نے مسلمانوں کے حوصلے دوچند کردیئے

جنگ قادسیہ کا دوسرا دن یوم الاغواث کہلاتا ہے اس دن دس ہزار ایرانی قتل ہوئے اور دو ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔تیسرے دن پھر دونوں فوجیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں،

حضرت سعدؓ نے پختہ ارادہ کیا کہ آج لڑائی کا فیصلہ ہوکر رہے گا۔پورا دن لڑائی ہوئی، اب شام ہوچکی تھی لیکن حضرت سعدؓ لڑائی کا فیصلہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔انہوں نے اپنی فوج کو از سر نو مرتب کیا ۔اور پھر سے ایرانیوں پر فیصلہ کن حملے کا حکم دیا۔جوش شہادت سے سرشار مجاہدین نے ایرانیوں پر ایسا جان توڑ حملہ کیا کہ ان کے قدم اکھڑ گئے۔

حضرت قعقاعؓ، عاصمؓ، عمروؓ بن معدیکرب، قیس بن اشعثؓ، اور ان کے جانباز ساتھی رستم کے تخت تک پہنچ گئے

رستم شدید زخمی ہوکر بھاگا۔اور دریا میں چھلانگ لگادی۔ہلالؓ بن علقمہ نامی ایک مجاہد نے اس کی ٹانگ پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا اور اس کا سر کاٹ لیا۔پھر رستم کے تخت پر چڑھ گئے اور زور سے پکارے ''میں نے رستم کو قتل کردیا''

اس آواز کے سنتے ہی ایرانیوں کے ہوش وحواس اڑ گئے۔اور وہ گاجر مولی کی طرح ذبح ہوگئے جس رات یہ خونی معرکہ سرہوا اسے لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔اس سے پہلا یعنی جنگ کا تیسرا دن یوم العماس

( ) کے نام سے مشہور ہے۔

قادسیہ کی عظیم الشان فتح کے بعد حضرت سعدؓ نے بابل تک ایرانیوں کا تعاقب کیا۔اور آس پاس کے سارے علاقے پر قبضہ کرلیا۔پھر مدائن کی طرف بڑھے۔اور اس کے مغربی حصے (بہرہ شیر) کا محاصرہ کرلیا۔سارے ایرانی خاص مدائن میں جو دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر آباد تھا سمٹ کر جمع ہوگئے۔انہوں نے دریا کا پل توڑ دیا اس وقت دریا میں خوفناک طغیانی آئی ہوئی تھی حضرت سعد نے اللہ کا نام لے کر اپنا گھوڑا دریا میں ڈھال دیا، دوسرے مجاہدین نے بھی ان کی پیروی کی۔ایرانی یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے،، دیواں آمدند'' دیواں آمدند'''' (دیو آگئے ۔دیو آگئے) کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔یزدگرد اپنا اور خزانے کا ایک حصہ پہلے ہی حلوان بھیج چکا تھا اب خود بھی مدائن سے بھاگ نکلا۔مدائن کی فتح کے بعد مسلمانوں نے آگے بڑھ کر جلولا، حلوان، تکریت، موصل،، ہیت اور ماسیذان وغیرہ بھی فتح کرلئے اور عراق عرب کی آخری حد تک ان کا استیلا ہوگیا۔اس کے بعد حضرت عمرؓ نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔اور حضرت سعد کو مفتوحہ علاقے کا والی بنا کر اس کے نظم ونسق کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا۔

اخلاق وعادات

حضرت سعدؓ کا چمن اخلاق گلہائے رنگارنگ سے آراستہ تھا، سبقت فی الاسلام، حب رسول ﷺ، تحمل شدائد، غیرت دینی، اتباع سنت،، زہد وتقویٰ،، شجاعت، تواضع وایثار، سخاوت، انکسار اور حق گوئی و بے باکی ان کے مخصوص اوصاف تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ سے والہانہ محبت کی بدولت ان کو بارگاہ نبوی میں خصوصی تقرب حاصل ہوگیا تھا۔ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی''' اے اللہ'' سعد جب تجھ سے دعا کرے تو اس کو قبول کر ۸

حضرت سعدؓ کو بعض لوگ شوق جہاد اور شجاعت کی بنا پر فارس الاسلام (شہسوار اسلام) کہہ کر پکارتے تھے۔ارباب سیر نے حضرت سعدؓ کے دوسرے اوصاف ومحاسن کے علاوہ ان کے ذوق عبادت، خوف خدا اور علم وفضل کا ذکر بھی خصوصیت سے کیا ہے۔ان پر ہر وقت خشیت الٰہی کا غلبہ رہتا تھا۔نہایت

کثرت سے روزے رکھتے تھے۔اور رات کا بیشتر حصہ یادالٰہی میں گزارتے تھے۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت سعدؓ کو عشق رسول ﷺ، صبرو استقلال اور شجاعت جیسے اوصاف کے علاوہ تدبیر و سیاست، انتظام اور قیادت جہاد جیسی صلاحیتوں سے بھی بہرہ ور کیا تھا اسلام کو جہاں جہاں اور جس طرح کی ضرورت ہوئی انہوں نے اپنی تمام صلاحیتوں کا نذرانہ فوراً پیش کر دیا۔ ۹

وفات تدفین

مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سعدؓ بن ابی وقاص کا عقیق میں انتقال ہوا۔وہ مدینہ لائے گئے۔اور وہیں دفن ہوئے ۔۱۰

والی مدینہ مروان بن الحکیم نے امہات المؤمنینؓ کے حجروں کے سامنے نماز جنازہ پڑھائی ۵۵ ھ کو اسلام کے اس بطل جلیل کو جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

حوالہ جات

۱۔ اسد الغابہ فی معرفة صحابہ، ج ۴، ص ۲۱۴، ابن اثیرؒ
۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۱۳۴
۳۔ اسد الغابہ فی معرفة صحابہ، ج ۴، ص ۲۱۴، ابن اثیرؒ
۴۔ رحمت دارین کے سو شیدائی، ص ۵۴، طالب ہاشمی
۵۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد
۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۴۲
۷۔ سیرت سعدؓ بن ابی وقاص، طالب ہاشمی،
۸۔ اسد الغابہ، ابن اثیرؒ، ج ۴، ص ۲۱۵
۹۔ سو شیدائی، طالب ہاشمی
۱۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۴۷۔

غیر انبیاء کے لئے صلوٰۃ وسلام

از: شاہ ابوالحسن زید مجددی فاروقی (دہلی)

الاستفتاء:

(۱) ''رضی اللہ عنہ'' جس طرح تمام صحابہ کرام کو کہا جاتا ہے۔اور ''علیہم السلام'' نہیں کہا جا سکتا. کیا اسی طرح حضرات حسنینؓ کو بھی ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کہا جائے اور ''علیہم السلام'' نہ کہا جائے۔اہل سنت کا طریقہ کیا ہے؟ نیز کہنے والے کہتے ہیں کہ خلفائے راشدین افضل الائمہ ہیں، تو پھر خلفاء کے ساتھ ''علیہم السلام'' کا استعمال کیوں نہیں اور خاص کر حضرت حسنینؓ کے ساتھ استعمال میں کیا مصلحت ہے۔؟

الجواب

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین. ام بعد۔

حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسمائے گرامی کے بعد دعائیہ جملہ ''رضی اللہ عنہ'' لکھنا چاہیئے ''علیہ السلام'' کا لکھنا ٹھیک نہیں۔آئمہ اہلسنت نے اہل بیت اطہار کے لئے علیہ السلام کی تخصیص نہیں کی ہے علمائے اعلام نے اپنی تالیفات میں اچھے پیرائے میں اس کو بیان کیا ہے۔اس وقت اس عاجز کے سامنے دو کتابیں ہیں ایک شفا از قاضی عیاض، مع اس کی دو شرح کے، تین میں خفاجی کی نسیم الریاض اور ہامش پر ملا علی قاری کی شرح، مطبوعہ مطبعۂ ازہریہ مصریہ اور دوسری کتاب تفسیر روح المعانی از سید آلوسی۔نسیم الریاض کی جلد ۳ کے صفحہ ۵۰۸ سے ۵۱۰ تک اور روح المعانی کی جلد ۷ کے صفحہ ۹۵ سے ۱۰۱ تک، مطبوعہ مطبعۂ کبریٰ میریہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ ان میں سے مختصر لکھتا ہوں واللہ الموفق من حیث المعنی اسمائے گرامی کے بعد تعظیمی یا دعائیہ کا استعمال جیسے ﷺ یا علیہ الصلوٰۃ والسلام، یا علیہ السلام، یا رضی اللہ عنہ، یا غفر اللہ لہ، درست ہو سکتا ہے کسی امتی کے نام کے بعد ایسے جملے لکھے جا سکتے ہیں۔اور نبی کریم ﷺ کے نام کے بعد کوئی لکھ سکتا ہے،، رسول اللہ محمد عزوجل، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وتعزروہ وتوقروہ۔اور اسی طرح امتی کے نام کے بعد کوئی لکھ سکتا ہے حضرت ابوبکر ﷺ۔کیونکہ اللہ فرماتا ہے، ھوالذی یصلی علیکم وملائکۃ ای یصلی علی المومنین۔اور اس کا ارشاد ہے اولٰئک علیہم صلوات من ربھم ورحمۃ ای علی

المومنین صلوات۔

من حیث المعنی اگر چہ اس طرح پر دعائیہ جملوں کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔لیکن دیکھنا یہ ہے کہ صدر اول اور سلف صالح کا کیا طریقہ رہا ہے۔کیا اس مبارک دور میں کسی نے کہا ہے' قال النبی یا قال الرسول عزو جل۔یا قال ابوبکر ﷺ

اسی سلسلہ میں قاضی ابوالفضل عیاض لکھتے ہیں۔

قال القاضی والذی ذهب الیه المحققون والذی امیل الیه ما قاله مالک وسفیان رحمهما الله وروی عن ابن عباس واختاره غیر واحد من الفقها والمتکلمین انه لا یصلی علی غیر الانبیاء عند ذکرهم بل هو شئی یختص به الانبیاء توقیرا کما یختص الله تعالی عند ذکره بالتنزیه والتقدیس والتعظیم ولا یشارك فیه غیره کذلک یجب تخصیص النبی صلی الله علیه وسلم وسائر الانبیاء با الصلوة والتسلیم ولا یشارك فیه سواهم کما امر الله بقوله صلوعلیه وسلمو تسلیما ۔ویذکر من سواهم من الائمة وغیرهمبأ لغفرانوالرضا۔

.کما قال الله تعالی: یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا با لایمان "وقال" والذین اتبعوهم با حسان رضی الله عنهم".

وایضا فهو امر لهم یکن معروفا فی الصدور الاول کما قال ابو عمران وانما احدثه الرافضة والمتشیعة فی بعض الائمة فشار کوهم عند الذکر لهم با لصلوة وساووهم بالنبیٔ سلی الله علیه وسلم فی ذلک وایضا .فان التشبه با هل البدع منهی عنه مخالفتهم فیما الزموه من ذلک ۔الخ وقال القاضی بعد اسطر ۔وهذا ختیار الامام ابی المظفر الاسفر ائنیمن شیوخنا وبه قال عمر بن عبد البر۔آه

ترجمہ۔

یعنی جدھر قاضی (مؤلف شفا) کا میلان ہے اور جدھر محققین گئے ہیں وہ وہ ہے جو کہ مالک اور سفیان کا قول ہے۔

اوہ جو ابن عباس سے مروی ہے اور جس کو کسی ایک نے نہیں بلکہ بہت سے فقہاء اور متکلمین نے اختیار کیا ہے

وہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کے علاوہ دوسرے حضرات کے تذکرے کے وقت ﷺ ن کہے۔انبیاء علیہم السلام کی جس توقیر و تعظیم کا حکم ہے اس کے پیش نظر انبیاء علیہم السلام کے اسمائے گرامی کے ساتھ یہ دعائیہ جملہ ایسے ہی مخصوص ہوگیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ تنزیہ، تقدیس، اور تعظیم کے الفاظ مخصوص ہیں ۔مثلا (عزوجل سبحانہ وتعالی۔تعالی وتقدس) تقدیس وتنزیہ کے ان جملوں میں کسی کو شریک نہیں کیا جاسکتا ۔اسی طرح صلوۃ وسلام آنحضرت ﷺ اور حضرات انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔صلوۃ وسلام میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کو شریک نہیں کیا جاسکتا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے صلوعلیہ وسلموتسلیما حضرت جل مجدہ نے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اور آئمہ وغیرہ کے لئے رضی کا لفظ استعمال فرمایا ہے

ارشاد خداوندی ہے ویقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ۔نیز ارشاد ربانی ہے والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہ۔اس کے علاوہ اس وجہ سے یہ قول مختار ہے کہ صدر اول میں یہ طریقہ (غیر انبیاء کے ﷺ کا لکھنا) معروف نہ تھا اس طریقہ کی ایجاد رافضہ اور متشیعہ نے بعض آئمہ کے متعلق کی (شرح شفا میں ہے بعض آئمہ سے حضرت علی اور حضرات حسنین مراد ہیں) قاضی صاحب فرماتے ہیں روافض اور متشیعہ نے بعض آئمہ کو انبیاء کے ساتھ صلوۃ میں شریک کردیا ہے۔اور اس طرح فعل ہذا میں آئمہ کو نبی ﷺ کے مساوی کردیا ہے۔اور اس وجہ سے بھی یہ قول (غیر انبیاء کے ساتھ صلوۃ سلام نہ لکھنا) اختیار کیا گیا ہے کہ اہل بدعت سے تشبیہ ممنوع ہے۔یعنی اہل بدعت جس امر کا التزام کریں اس کی مخالفت لازم ہے اور چھ سطر کے بعد لکھا ہے میرے اساتذہ میں سے ابا اسفرائنی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔اور یہی حافظ عمر بن عبدالبر کا قول ہے اھ

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

حقق بعضهم فقال ما حاصله مع زيادة عليه . السلام الذى يعم الحي الميت هوالذى يقصد به التحية كالسلام عند التلاقى او زيارة قبر وهو مستدع للرد وجوب كفاية او عين بنفسه فى الحاضر ورسوله او كتابه فى الغائب .واما السلام الذى يقصد به الدعاء منا با لتسليم من الله تعالىٰ على المدعو له سوا كان بلفظ غيبة او حضور فهذا هوالذى اختصر به صلى الله عليه وسلم عن الائمه فلا يسلم على غيره الا تبعاكما اشار اليه التقى السكى فى شفاء الغرام و حينئذ فقد اشبه قولنا عليه السلام قولنا عليه الصلوة من حيث ان المراد عليه السلام من الله تعالى ففيه اشعار با تعظيم الذى فى الصلوة من حيث الطلب لان يكون المسلم عليه الله تعالى كما فى الصلوة وهذالنوع من السلام هوالذى ادعى الحليمى كون الصلوة بمعناه .الخ

ترجمہ:

سلام کے مسئلہ میں بعض فضلاء نے تحقیق کی ہے۔ میں ان کے کلام کا خلاصہ مع کچھ اضافہ کے لکھتا ہوں ۔سلام دوطرح کا ہوتا ہے ایک سلام تحیہ ہے جو آنے والا پیش کرتا ہے خواہ زندہ کو پیش کرے یا صاحب قبر کو اگر زندہ کو پیش کرے اس کا جواب واجب ہے۔ اگر جماعت کو پیش کیا ہے تو وجوب کفائی ہے۔ایک کا جواب سب کی طرف سے کفایت کرتا ہے۔اوراگر کسی فرد کو خود جا کر سلام کیا ہے یا کسی کے ذریعہ سے اس کو سلام کا تحیہ ارسال کیا ہے۔یا کسی خط میں سلام لکھا ہے تو اس شخص پر جواب واجب ہے جس کو سلام کیا ہے یا کہلایا ہے یا لکھا ہے۔دوسرا سلام یہ ہے کہ سلام کرنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ اپنا سلام ایس بندہ پرنازل فرمائے اس کے لئے غائب کا صیغہ استعمال کرے۔ مثلاً ﷺ یا سلام اللہ علیہ یا حاضر کا جیسے اللھم سلم علیہ۔یہ سلام جو کہ دعا ہے حضرت محمد ﷺ اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔امتیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ہاں تبعا اور ضمنی طور پر امتی کا ذکر کیا جا سکتا ہے جیسے حضرت محمد ﷺ اوران کی آل اور ان کے اصحاب پر اللہ کا سلام ہو۔

یہی بات علامہ تقی الدین سبکی متوفی ۷۵۶ھ الشفاء الغرام میں لکھی ہے۔اندریں احوال جب ہم علیہ السلام کہتے ہیں تو اس کا مطلب وہی ہے جو علیہ الصلوۃ کہنے کا ہے۔اس میں بھی تعظیم وہی پائی جاتی ہے جو علیہ

الصلوۃ میں ہے۔

علامہ حلیمی نے اسی سلام کے متعلق دعوی کیا ہے۔کہ یہ سلام بمعنی صلاۃ ہے ،،الخ مفہوما

علمائے کرام اعلی اللہ درجاتہم نے لکھا ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے

لاتجعلو دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا۔یعنی تم (رسول اللہ ﷺ) کے بلانے اوران کے آواز دینے کو معمولی بات نہ سمجھو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے بلانے اور آواز دینے کو سمجھتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عرب آپ ﷺ کو یا محمد اور یا ابالقاسم کہہ کر آواز دیا کرتے تھے ۔اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع کیا کہ یہ طریقہ خلاف ادب ہے۔تم جب بارگاہ نبوی میں حاضر ہو تو باادب یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ کہہ کر آپ کو اپنی طرف متوجہ کرو۔اللہ تعالیٰ آپ کی تعظیم اور توقیر کرنے کی ہدایت کرتا ہے اس کا ارشاد ہے وتعزروہ وتوقروہ۔

خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی مسجد شریف نبوی علیٰ صاحبہ الصلوۃ والسلام میں بلند آواز سے باتیں کرتے ہوئے داخل ہوئے امام دارالہجرۃ مالک بن انس وہاں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے خلیفہ سے کہا۔یہ مقام ادب ہے یہاں ادب ہے یہاں اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔خلیفہ نے دریافت کیا کس وجہ سے،امام مالک نے سورۃ حجرات کی چار آیتیں از اول تلاوت کیں اور کہا کہ اللہ تعالی نے ہم کو اس طرح آپ کا ادب کرنا سکھایا ہے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں۔یہ وہ سعادتمند افراد ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ،وعم احسانہ نے پرہیز گاری اور تقوی کے واسطے جانچ لیا ہے۔وہ ان کو بخشتا ہے اوران کی غلطیوں اور لغزشوں کو معاف فرماتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باادب رہنے پر اپنی عظیم نوازشیں کرتا ہے۔

ابن مسعود کے ارشاد کو ابن ماجہ نے نقل کیا ہے کہ اے لوگو: جب تم درود شریف کا تحفہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرو اور کہو:

اللهم اجعل صلواتک وبركاتک على سيدا لمرسلين وامام المتقين وخاتم النبيين محمد عبدک ورسولک امام الخير وقائد الخير ورسوله الرحمة اللهم ابعثه مقاما محمودا يغبط به الاولون والاخرون .الخ

جو ادب آپ کی حیات طیبہ میں آپ کے حضور میں کیا جاتا تھا وہی ادب آپ کی وفات کے بعد آپ کا ہے ۔علماء نے فرمایا اگر آپ کو آواز دینے کے وقت مراعات ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ کو مخصوص الفاظ اور القاب سے یاد کیا جائے تو آپ پر درود وسلام پیش کرتے وقت بھی از روئے مراعات ادب لازم ہے کہ درود کے الفاظ مخصوص ہوں۔اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے صلو علیہ وسلمو تسلیما کی تعلیم دی ہے لہذا ان مبارک الفاظ کو آپ کے ساتھ مخصوص رکھنا چاہئے۔

قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ نے حضرت علی وحضرات حسنین اور بعض دیگر افراد اہل بیت اطہار نبوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین کے اسمائے گرامی کے ساتھ علیہ الصلوۃ والسلام کہنے اور لکھنے کی وجہ بیان کردی ہے۔کہ یہ عمل روافض اور متشیعہ کا ہے۔صدر اول میں اس کا وجود نہ تھا زمانہ حاضر کے ایک شیعہ مجتہد کے قول سے اس کی تصدیق ہوگئی ہے۔واقعہ یہ ہے کہ عاجز سے فرقہ اثنا عشریہ کے مجتہد سید مجتبیٰ حسن صاحب نے کہا کہ؛

یہ بارہ امام ہیں۔ان کی امامت وہ نہیں جو آئمہ مجتہدین کی ہے بلکہ یہ وہ امامت ہے جو حضرت ابرٰہیم علیہ السلام کو اللہ نے عنایت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک الناس اماما۔یہ امامت مقام نبوت کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔یہ بارہ افراد سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کی نبوت کے حلقات ہیں۔جب کہ آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں آپ کی نبوت کے حلقات بھی بالیقین تمام انبیاء ماسبق سے افضل ہیں۔اور ان حلقات نبوت کی امامت بھی حضرت ابراھیم علیہ السلام کی امامت سے افضل ہے، یہ بارہ افراد انبیاء ہیں اور اسی وجہ سے ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ علیہ الصلوۃ والسلام کا استعمال عام ہے۔استغفر اللہ ربی واتوب الیہ ۔

بہر حال یہ قول اور عقیدہ شیعی مجتہدین اور روافض کا ہے۔اس موقع پر تفسیر عزیزی کے ایک نکتہ کا نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے؛تفسیر عزیزی میں از سورۃ بقرہ آیت ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین کے بیان میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے برائے طلب مغفرت یہ الفاظ فرمائے: اسئلک بحق محمد الاغفرت لی ۔اور پھر لکھا ہے فقہائے کرام نے بحق فلان کہہ کر دعا کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔اس کے بعد آپ نے مکروہ قرار دینے کی وجہ بیان کی ہے کہ معتزلہ کے مذہب میں بندہ کا عمل بندہ کی پیداوار ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس

کے عمل کا اجر مقرر کیا ہے۔یہ اجر بندہ کا حق ہے، ایسا حق جو کہ حقیقی ہے۔اور اہل سنت کے نزدیک کیا بندہ اور کیا اس کا عمل سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔اللہ نے اگر اس کے عمل پر اجر دینے کو کہا ہے تو یہ اس کا کرم ہے اور اس کی بندہ پروری ہے اور یہ حق تفضلی اور تکرمی ہے۔فقہائے کرام کے زمانہ میں معتزلہ کا مذہب بہت رائج تھا۔اس لئے فقہاء نے اس لفظ کے استعمال سے منع کیا تاکہ عوام اور کم علم افراد اعتزال کا شکار نہ ہوں اور چونکہ اب معتزلہ کا مذہب پارہ ہائے اوراق تک محدود ہو کر رہ گیا ہے لہذا اس لفظ کے استعمال سے جو ممانعت داخل ہوئی تھی وہ اب نہ رہی ہے بحق فلان کہہ کر دعا کرنی جائز ہے۔انتہی ملخصا ومفہوما۔

جائے فکر

ہندوستان مین جماعت اہل سنت کے افراد جس تیزی سے اور آسانی کے ساتھ شیعان اہل بیت اطہار میں شامل ہورہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اور یہ بات دیگر ممالک اسلامیہ میں کیوں نہیں ہے؟ اس عاجز کے نزدیک وجہ یہ ہے کہ اہل ہند نے قاطبۃ بارہ حضرات کے اسمائے گارزمی کے ساتھ امام کا لفظ بمنزلہ جزو اسم قرار دے دیا ہے اور پھر ان کے واسطے دعائیہ جملہ۔علیہ السلام تجویز کر رکھا ہے۔جو کسی دوسرے امتی کے لئے استعمال نہیں ہوتا ہے۔کوئی نہیں کہتا بلکہ کہہ نہیں سکتا۔ابوبکر علیہ السلام، عمر علیہ السلام، عثمان علیہ السلام، بلکہ ان حضرات کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استعمال ہوتا ہے۔عوام الناس یہ سب کچھ دیکھتے ہیں اور اگر وہ خود اس طرف متوجہ نہیں ہوتے تو جماعت مجتہدین ان کو متوجہ کرتی ہے اور ان کو یہ دکھاتی اور سمجھاتی ہے کہ یہ دعائیہ جملہ جو حضرات انبیاء علیہ السلام کے مبارک ناموں کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے ہمارے آئمہ کے ناموں کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے. اسی سے ظاہر وباہر ہے کہ یہ بارہ افراد بھی زمرۂ انبیاء میں شامل ہیں اور ان کی امامت معمولی امامت نہیں بلکہ حضرات انبیائے ماسبق کی امامت ہے۔حسبی اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولا قوۃ الا باللہ اس عاجز کے سامنے ڈیڑھ سو سال قبل کے ایک عالم فاضل، کامل، صاحب تفسیر و دیگر کتب کثیرہ کی ایک فارسی کتاب ہے۔انہوں نے دوازدہ امام کے ساتھ معصومین کا اضافہ کیا ہے۔وہ یقیناً از علمائے اہل سنت ہیں۔اور اہل سنت کے نزدیک صرف انبیاء کی ذات معصوم ہے۔اولیاء کو معصوم کہنا درست نہیں ان کی یہ تحریر اس دعوت تشیع سے آگاہ کررہی ہے جس کا شکار عوام ہورہے ہیں۔

فجر کی سنتوں کا مسئلہ

سوال: قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ اگر جماعت ہو رہی ہو تو سنتوں کا کیا حکم ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ ادھر جماعت کھڑی ہوتی ہے اور ادھر لوگ سنتیں ادا کر رہے ہیں۔ بالخصوص فجر کی نماز میں۔

السائل: قاری حق نواز ہمدانی، ودھن شریف سرگودھا

الجواب: بعون الوہاب: سنتوں کا حکم یہ ہے کہ فرضوں سے پہلے ادا کی جائیں اگر کوئی شخص اس حال میں مسجد میں پہنچتا ہے کہ جماعت کھڑی ہو چکی ہے تو اسے فوراً جماعت میں شریک ہونا چاہئے اور سنتیں فرض کی ادائیگی کے بعد پڑھے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب نماز کیلئے اقامت کہہ دی جائے تو کوئی نماز جائز نہیں سوائے فرض کے البتہ فجر کی سنتیں اپنی اہمیت کے پیش نظر اس سے مستثنیٰ ہیں فجر کی سنتیں اس وقت تک ضرور پڑھنا چاہیے۔ جب تک یہ گمان ہو کہ سنتیں پڑھ کر کم از کم ایک رکعت امام کے ساتھ مل جاؤں گا۔ کیونکہ اب رکعت پانے والے کو بھی جماعت کا ثواب ملتا ہے لہذا جب تک جماعت ملنے کی امید ہو فجر کی سنتیں پڑھے۔ لیکن اگر ایک رکعت ملنے کی بھی امید نہ ہو تو فجر کی سنتیں چھوڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے پھر سورج نکلنے کے بعد ان کی قضا کرے اس کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

عن عائشہ رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ ﷺ رکعتا الفجر خیر من الدنیا و ما فیھا

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فجر کی دو رکعتیں دنیا میں اور جو کچھ ہے سب سے بہتر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری ہی روایت میں ہے۔

"لم یکن النبی ﷺ علی شئی من النوافل اشد تعاھدا منہ علی رکعتی الفجر

رسول ﷺ کسی نفل کی اتنی زیادہ پابندی اور حفاظت نہیں کرتے تھے جتنی فجر کی دو رکعتوں کی۔

سنت فجر کی اہمیت کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ قضا نمازوں کے پڑھتے وقت سنتوں کی قضا نہیں ہوتی بلکہ صرف فرائض وواجبات کی قضا ہوتی ہے مگر حضور ﷺ نے لیلۃ التعریس میں نماز فجر کی قضا

الحدیث۔تم میں سے جو مجھ پر زیادہ درود پڑے گا، قیامت کے دن وہ میرے سب سے زیادہ نزدیک ہوگا۔

پڑھتے وقت سنت فجر کی بھی قضا کی۔

اسی طرح امت کو بھی فجر کی سنتوں کی تاکید فرمائی "عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تدعوا رکعتی الفجر و لو طرفتکم الخیل۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فجر کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑو خواہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔

غور کرنے کی بات ہے ایک طرف پہلی حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے جب اقامت کہہ دی جائے تو فرض نماز کے سوا کوئی اور نماز جائز نہیں دوسری طرف یہ احادیث ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ فجر کی سنتوں کو ہر حال میں پڑھنا چاہیے خواہ کچھ بھی ہو جائے لہذا اگر احادیث کو تطبیق دی جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتوں کیلئے اتنی گنجائش ہے کہ جب تک جماعت کے ملنے کی امید ہو سنت کو ترک نہ کرے اور فرض سے پہلے ادا کردے۔ لیکن اگر یہ خطرہ ہو کہ سنتوں میں مشغول ہونے پر جماعت کا ثواب چلا جائے گا تو مجبوراً اسے موخر کرے اور جماعت میں شریک ہو جائے اور سورج نکلنے کے بعد اس کی قضا کرے جماعت کے فوراً بعد ادا نہیں کر سکتا کیونکہ فجر کے بعد طلوع آفتاب کسی نفل وغیرہ کے پڑھنے کی اجازت نہیں" عن ابی سعید الحذری قال قال رسول اللہ ﷺ لا صلوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس و لا صلوۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس

حضرت ابو سعید خاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز فجر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج غائب ہو جائے۔

دوسری حدیث میں صراحتہ مذکور ہے کہ فجر کی سنتیں رہ جائیں تو سورج کے طلوع ہونے کے بعد ادا کرے۔

—"عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من لم یصلی رکعتی الفجر فلیصلھما بعد ما تطلع الشمس۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں انہیں سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے۔

صحابہ کرام کا عمل

عبداللہ بن عمر کا عمل "عن ما ل ك انه بلغه ان عبد الله بن عمر رضى الله فا تته ركعتا الفحر فقضا هما بعد ان طلعت الشمس

امام مالک فرماتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فجر کی دو رکعتیں فوت ہوگئیں تو آپ نے سورج کے نکلنے کے بعد انہیں قضا پڑھا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما

"عن عبد الله ابن ابى مو سى قال جآء نا ابن مسعو د رضى الله تعالىٰ عنه والا مام يصلى الصبح فصلى ركعتى الى سا ريته و لم يكن صلى ركعتى الفجر

حضرت عبداللہ ابن موسیٰ فرماتے ہیں کہ حضرتِ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہماری مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا۔ آپ نیا یک ستون کے قریب فجر کی سنتیں ادا فرمائیں (چونکہ اس سے پہلے سنتیں نہیں پڑھ سکے تھے)۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل

"عن ابى عثمان الا نصا رى قال جا ء عبد اللهبن عبا س رضى الله عنهما وا لا مام فى صلو ة العداة ولم يكن صلى الر كعتى فصلى عبد الله بن عبا س الر كعتى خلف الا مام ثم دخل معهم آثا ر سنن"

حضرت ابوعثمان انصاری کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے جب کہ امام نماز فجر پڑھ رہا تھا آپ نے دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں۔ تو پہلے انہوں نے امام سے پیچھے ہٹ کر دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر جماعت میں شامل ہوکر فجر کی نماز پڑھی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا عمل

عن ابى الد رداء رضى الله تعالىٰ عنه انه كان يد خل المسجد و النا س صفو ف فى صلو ة الفجر فيصل الر كعتى فى نا حية المسجد ثم يد خل القوم فى الصلو ة (طحا وى شريف الرجل يد خل المسجد والا مام)

بقیہ صفحہ نمبر 11 پر